ایمان ابوطالب پر سات دلیل

ہم یہاں پر ان بہت سے دلائل میں سے جو واضح طور پر ایمان ابوطالب علیہ السلام کی گواہی دیتے ہیں کچھ دلائل مختصر طور پر فہرست وار بیان کرتے ہیں تفصیلات کے لئے ان کتابوں کی طرف رجوع کریں جو اسی موضوع پر لکھی گئی ہیں۔

1۔حضرت ابوطالب علیہ السلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے خوب اچھی طرح سے جانتے تھے کہ ان کا بھتیجا مقام نبوت تک پہنچے گا کیونکہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ جس سفر میں حضرت ابوطالب علیہ السلام قریش کے قافلے کے ساتھ شام گئے تھے تو اپنے بارہ سالہ بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔اس سفر میں انہوں نے آپ سے بہت سی کرامات مشاہدہ کیں۔

ان میں ایک واقعہ یہ ہے کہ جونہی قافلہ ''بحیرا'' نامی راہب کے قریب سے گزرا جو قدیم عرصے سے ایک گرجے میں مشغول عبادت تھا اور کتب عہدین کا عالم تھا،تجارتی قافلے اپنے سفر کے دوران اس کی زیارت کے لئے جاتے تھے،تو راہب کی نظریں قافلہ والوں میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جم کر رہ گئیں،جن کی عمر اس وقت بارہ سال سے زیادہ نہ تھی۔

بحیرا نے تھوڑی دیر کے لئے حیران و ششدر رہنے اور گہری اور پُرمعنی نظروں سے دیکھنے کے بعد کہا: یہ بچہ تم میں سے کس سے تعلق رکھتا ہے؟لوگوں نے ابوطالب علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا،انہوں نے بتایا کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔

''بحیرا'' نے کہا: اس بچہ کا مستقبل بہت درخشاں ہے،یہ وہی پیغمبر ہے کہ جس کی نبوت و رسالت کی آسمانی کتابوں نے خبر دی ہے اور میں نے اسکی تمام خصوصیات کتابوں میں پڑھی ہیں۔

ابوطالب علیہ السلام اس واقعہ اور اس جیسے دوسرے واقعات سے پہلے دوسرے قرائن سے بھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور معنویت کو سمجھ چکے تھے۔

اہل سنت کے عالم شہرستانی (صاحب ملل ونحل) اور دوسرے علماء کی نقل کے مطابق:''ایک سال آسمان مکہ نے اپنی برکت اہل مکہ سے روک لی اور سخت قسم کی قحط سالی نے لوگوں کو گھیر لیا تو ابوطالب علیہ السلام نے حکم دیا کہ ان کے بھتیجے محمد کو جو ابھی شیر خوار ہی تھے لایا جائے،جب بچے کو اس حال میں کہ وہ ابھی کپڑے میں لپیٹا ہوا تھا انہیں دیا گیا تو وہ اسے لینے کے بعد خانہ کعبہ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور تضرع وزاری کے ساتھ اس طفل شیر خوار کو تین مرتبہ اوپر کی طرف بلند کیا اور ہر مرتبہ کہتے تھے،پروردگارا،اس بچہ کے حق کا واسطہ ہم پر برکت والی بارش نازل فرما۔

کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ افق کے کنارے سے بادل کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا اور مکہ کے آسمان پر چھا گیا اور بارش سے ایسا سیلاب آیا کہ یہ خوف پیدا ہونے لگا کہ کہیں مسجد الحرام ہی ویران نہ ہو جائے''۔

اس کے بعد شہرستانی لکھتا ہے کہ یہی واقعہ جو ابوطالب علیہ السلام کی اپنے بھتیجے کے بچپن سے اس کی نبوت و رسالت سے آگاہ ہونے پر دلالت کرتا ہے ان کے پیغمبر پر ایمان رکھنے کا ثبوت بھی ہے اور ابوطالب علیہ السلام نے بعد میں اشعار ذیل اسی واقعہ کی مناسبت سے کہے تھے:

و ابیض یستسقی الغمام بوجهه
ثمال الیتامی عصمة الارامل

''وہ ایسا روشن چہرے والا ہے کہ بادل اس کی خاطر سے بارش برساتے ہیں وہ یتیموں کی پناہ گاہ اور بیواؤں کے محافظ ہیں''

يلوذ به الهلاك من آل هاشم

فهم عنده فی نعمة و فواضل

''بنی ہاشم میں سے جوچل بسے ہیں وہ اسی سے پناہ لیتے ہیں اور اسی کے صدقے میں نعمتوں اور احسانات سے بہرہ مند ہوتے ہیں،،

ومیزان عدله یخیس شعیرة

ووزان صدق وزنه غیر هائل

''وہ ایک ایسی میزان عدالت ہے کہ جو ایک جَو برابر بھی ادھر ادھر نہیں کرتا اور درست کاموں کا ایسا وزن کرنے والا ہے کہ جس کے وزن کرنے میں کسی شک وشبہ کا خوف نہیں ہے''

قحط سالی کے وقت قریش کا ابوطالب علیہ السلام کی طرف متوجہ ہونا اور ابوطالب علیہ السلام کا خدا کو آنحضرتؐ کے حق کا واسطہ دینا شہرستانی کے علاوہ اور دوسرے بہت سے عظیم مورخین نے بھی نقل کیا ہے۔[1]

اشعار ابوطالب علیہ السلام زندہ گواہ

2۔اس کے علاوہ مشہور اسلامی کتابوں میں ابوطالب علیہ السلام کے بہت سے اشعار ایسے ہیں جو ہماری دسترس میں ہیں ان میں سے کچھ اشعار ہم ذیل میں پیش کررہے ہیں:

والله ان یصلوالیك بجمعهم

حتیٰ اوسد فی التراب دفینا

''اے میرے بھتیجے خدا کی قسم جب تک ابوطالب علیہ السلام مٹی میں نہ سوجائے اور لحد کو اپنا بستر نہ بنالے دشمن ہرگز ہرگز تجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے''

فاصدع بأمرك ماعلیك غضاضته

وابشربذاك وقرمنك عیونا

''لہٰذا کسی چیز سے نہ ڈر اور اپنی ذمہ داری اور ماموریت کا ابلاغ کر، بشارت دے اور آنکھوں کو ٹھنڈا کر''۔

ودعوتنی وعلمت انك ناصحی

ولقد دعوت و کنت ثم امینا

''تو نے مجھے اپنے مکتب کی دعوت دی اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تیرا ہدف ومقصد صرف پند ونصیحت کرنا اور بیدار کرنا ہے، تو اپنی دعوت میں امین اور صحیح ہے''

ولقد علمت ان دین محمدٍ

[1] علامہ امینی نے اسے اپنی کتاب ''الغدیر'' میں ''شرح بخاری''، ''المواہب اللدنیہ''، ''الخصائص الکبری''، ''شرح بھجۃ المحافل''، ''سیرہ حلبی''، ''سیرہ نبوی'' اور ''طلبۃ الطالب'' سے نقل کیا ہے۔

من خیر ادیان البریة دیناً

''میں یہ بھی جانتا ہوں کہ محمد کا دین ومکتب تمام دینوں اور مکتبوں میں سب سے بہتر دین ہے''۔

اور یہ اشعار بھی انہوں نے ہی ارشاد فرمائے ہیں:

الم تعلموا انا وجدنا محمد اً

رسولا کموسیٰ خط فی اول الکتب

''اے قریش کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) موسیٰ علیہ السلام کی مثل ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کے مانند خدا کے پیغمبر اور رسول ہیں جن کے آنے کی پیشین گوئی پہلی آسمانی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے اور ہم نے اسے پا لیا ہے''۔

وان علیه فی العباد محبة

ولا حیف فی من خصه الله فی الحب

''خدا کے بندے اس سے خاص لگاؤ رکھتے ہیں اور جسے خداوندمتعال نے اپنی محبت کے لئے مخصوص کرلیا ہو اس شخص سے یہ لگاؤ بے موقع نہیں ہے۔''

ابن ابی الحدید نے جناب ابوطالب علیہ السلام کے کافی اشعار نقل کرنے کے بعد (کہ جن کے مجموعہ کو ابن شہر آشوب نے ''متشابہات القرآن'' میں تین ہزار اشعار کہا ہے) کہتا ہے: ''ان تمام اشعار کے مطالعہ سے ہمارے لئے کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ ابوطالب علیہ السلام اپنے بھتیجے کے دین پر ایمان رکھتے تھے''۔

3۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت سی ایسی احادیث بھی نقل ہوئی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان کے فداکار چچا ابوطالب علیہ السلام کے ایمان پر گواہی دیتی ہیں منجملہ ان کے کتاب ''ابوطالب علیہ السلام مومن قریش'' کے مؤلف کی نقل کے مطابق ایک یہ ہے کہ جب ابوطالب علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تشیع جنازہ کے بعد اس سوگواری کے ضمن میں جو اپنے چچا کی وفات کی مصیبت میں آپ کر رہے تھے آپ یہ بھی کہتے تھے:

''ہائے میرے بابا ہائے ابوطالب علیہ السلام میں آپ کی وفات سے کس قدر غمگین ہوں کس طرح آپ کی مصیبت کو میں بھول جاؤں، اے وہ شخص جس نے بچپن میں میری پرورش اور تربیت کی اور بڑے ہونے پر میری دعوت پر لبیک کہی، میں آپ کے نزدیک اس طرح تھا جیسے آنکھ خانہ چشم میں اور روح بدن میں''۔

نیز آپ ہمیشہ یہ کیا کرتے تھے: ''ما نالت منی قریش شیئًا اکرھه حتیٰ مات ابوطالب''

''اہل قریش اس وقت تک کبھی میرے خلاف ناپسندیدہ اقدام نہ کرسکے جب تک ابوطالب علیہ السلام کی وفات نہ ہوگئی''۔

4۔ ایک طرف سے یہ بات مسلم ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابوطالب علیہ السلام کی وفات سے کئی سال پہلے یہ حکم مل چکا تھا کہ وہ مشرکین کے ساتھ کسی قسم کا دوستانہ رابطہ نہ رکھیں، اس کے باوجود ابوطالب علیہ السلام کے ساتھ اس قسم کے تعلق اور مہر ومحبت کا اظہار اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں مکتب توحید کا معتقد جانتے تھے، ورنہ یہ بات کس طرح ممکن ہوسکتی تھی کہ دوسروں کو تو مشرکین کی دوستی سے منع کریں اور خود ابوطالب علیہ السلام سے عشق کی حد تک مہر ومحبت رکھیں۔

5۔ ان احادیث میں بھی کہ جو اہل بیت پیغمبر کے ذریعہ سے ہم تک پہنچی ہیں حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان واخلاص کے

بڑی کثرت سے مدارک نظر آتے ہیں، جن کا یہاں نقل کرنا طول کا باعث ہوگا، یہ احادیث منطقی استدلالات کی حامل ہیں ان میں سے ایک حدیث چوتھے امام علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے اس میں امام علیہ السلام نے اس سوال کے جواب میں کہ کیا ابوطالب علیہ السلام مومن تھے؟ جواب دینے کے بعد ارشاد فرمایا: "ان ھنا قوماً یزعمون انه کافر"، اس کے بعد فرمایا کہ: "تعجب کی بات ہے کہ بعض لوگ یہ کیوں خیال کرتے ہیں کہ ابوطالب علیہ السلام کافر تھے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ وہ اس عقیدہ کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوطالب علیہ السلام پر طعن کرتے ہیں کیا ایسا نہیں ہے کہ قرآن کی کئی آیات میں اس بات سے منع کیا گیا ہے (اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ) مومن عورت ایمان لانے کے بعد کافر کے ساتھ نہیں رہ سکتی اور یہ بات مسلم ہے کہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا سابق ایمان لانے والوں میں سے ہیں اور وہ ابوطالب علیہ السلام کی زوجیت میں ابوطالب علیہ السلام کی وفات تک رہیں۔"

ابوطالب علیہ السلام تین سال تک شعب میں

6۔ ان تمام باتوں کو چھوڑتے ہوئے اگر انسان ہر چیز میں ہی شک کریں تو کم از کم اس حقیقت میں تو کوئی شک نہیں کر سکتا کہ ابوطالب علیہ السلام اسلام اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجہ اول کے حامی و مددگار تھے، ان کی اسلام اور پیغمبر کی حمایت اس درجہ تک پہنچی ہوئی تھی کہ جسے کسی طرح بھی رشتہ داری اور قبائلی تعصّبات سے منسلک نہیں کیا جا سکتا۔

اس کا زندہ نمونہ شعب ابوطالب علیہ السلام کی داستان ہے۔ تمام مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب قریش نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کا ایک شدید اقتصادی، سماجی اور سیاسی بائیکاٹ کر لیا اور اپنے ہر قسم کے روابط ان سے منقطع کر لئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واحد حامی اور مدافع، ابوطالب علیہ السلام نے اپنے تمام کاموں سے ہاتھ کھینچ لیا اور برابر تین سال تک ہاتھ کھینچے رکھا اور بنی ہاشم کو ایک درہ کی طرف لے گئے جو مکہ کے پہاڑوں کے درمیان تھا اور "شعب ابوطالب" کے نام سے مشہور تھا اور وہاں پر سکونت اختیار کر لی۔

ان کی فداکاری اس مقام تک جا پہنچی کہ قریش کے حملوں سے بچانے کے لئے کئی ایک مخصوص قسم کے برج تعمیر کرنے کے علاوہ ہر رات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے بستر سے اٹھاتے اور دوسری جگہ ان کے آرام کے لئے مہیا کرتے اور اپنے فرزند دلبند علی کو ان کی جگہ پر سلا دیتے اور جب حضرت علی علیہ السلام کہتے: "بابا جان میں تو اسی حالت میں قتل ہو جاؤں گا" تو ابوطالب علیہ السلام جواب میں کہتے: میرے پیارے بچے بردباری اور صبر ہاتھ سے نہ چھوڑو، ہر زندہ موت کی طرف رواں دواں ہے، میں نے تجھے فرزند عبداللہ کا فدیہ قرار دیا ہے۔

یہ بات اور بھی طالب توجہ ہے کہ جو حضرت علی علیہ السلام باپ کے جواب میں کہتے ہیں کہ بابا جان میرا یہ کلام اس بنا پر نہیں تھا کہ میں راہ محمدؐ میں قتل ہونے سے ڈرتا ہوں، بلکہ میرا یہ کلام اس بنا پر تھا کہ میں یہ چاہتا تھا کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ میں کس طرح سے آپ کا اطاعت گزار اور احمد مجتبیٰ کی نصرت و مدد کے لئے آمادہ و تیار ہوں۔

قارئین کرام ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص بھی تعصب کو ایک طرف رکھ کر غیر جانبداری کے ساتھ ابوطالب علیہ السلام کے بارے میں تاریخ کی سنہری سطروں کو پڑھے گا تو وہ ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ کا ہمصدا ہو کر کہے گا:

و لو لا ابوطالب وابنه لما مثل الدین شخصا و قاما

فذاك بمكة آوى و حامى و هذا بیثرب جس الحماما

"اگر ابوطالب علیہ السلام اور ان کا بیٹا نہ ہوتے تو ہرگز مکتب اسلام باقی نہ رہتا اور اپنا قد سیدھا نہ کرتا، ابوطالب علیہ السلام تو مکہ میں

پیغمبر کی مدد کے لئے آگے بڑھے اور علی یثرب (مدینہ) میں حمایت اسلام کی راہ میں گرداب موت میں ڈوب گئے‘‘

ابوطالب علیہ السلام کا سال وفات ’’عام الحزن‘‘

7۔ ’’ابوطالب علیہ السلام کی تاریخ زندگی، جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ان کی عظیم قربانیاں اور رسول اللہ اور مسلمانوں کی ان سے شدید محبت کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے ہم یہاں تک دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی موت کے سال کا نام ’’عام الحزن‘‘ رکھا یہ سب باتیں اس امر کی دلیل ہیں کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کو اسلام سے عشق تھا اور وہ جو پیغمبر اسلام کی اس قدر مدافعت کرتے تھے وہ محض رشتہ داری کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اس دفاع میں آپ کی حیثیت ایک مخلص، ایک جاں نثار اور ایسے فداکار کی تھی جو اپنے رہبر اور پیشوا کا تحفظ کررہا ہو۔‘‘

ابولہب کی دشمنی

اس کا نام ’’عبدالعزیٰ‘‘ (عزیٰ بت کا بندہ) اور اس کی کنیت ’’ابولہب‘‘ تھی۔ اس کے لیے اس کنیت کا انتخاب شاید اس وجہ سے تھا کہ اس کا چہرہ سرخ اور بھڑکتا ہوا تھا، چونکہ لغت میں لہب آگ کے شعلہ کے معنی میں ہے۔

وہ اور اس کی بیوی ’’ام جمیل‘‘ جو ابوسفیان کی بہن تھی، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہایت بدزبان اور سخت ترین دشمنوں میں سے تھے۔

’’طارق محارق‘‘ نامی ایک شخص کہتا ہے: میں ’’ذی المجاز‘‘ کے بازار میں تھا۔ [1]

اچانک میں نے ایک جوان کو دیکھا جو پکار پکار کر کہہ رہا تھا: اے لوگو: لا الہ الا اللہ کا اقرار کرلو تو نجات پا جاؤ گے۔ اور اس کے پیچھے پیچھے میں نے ایک شخص کو دیکھا جو اس کے پاؤں کے پچھلے حصہ پر پتھر مارتا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کے پاؤں سے خون جاری تھا اور وہ چلا چلا کر کہہ رہا تھا۔ اے لوگو یہ جھوٹا ہے اس کی بات نہ ماننا‘‘۔

میں نے پوچھا کہ یہ جوان کون ہے؟ تو لوگوں نے بتایا: یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جس کا گمان یہ ہے کہ وہ پیغمبر ہے اور یہ بوڑھا اس کا چچا ابولہب ہے جو اس کو جھوٹا سمجھتا ہے۔

’’ربیع بن عباد‘‘ کہتا ہے: میں اپنے باپ کے ساتھ تھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ وہ قبائل عرب کے پاس جاتے اور ہر ایک کو پکار کر کہتے: میں تمہاری طرف خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں: تم خدائے یگانہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔

جب وہ اپنی بات سے فارغ ہوجاتا تو ایک خوبرو بھینگا آدمی جوان کے پیچھے پیچھے تھا، پکار کر کہتا: اے فلاں قبیلے: یہ شخص یہ چاہتا ہے کہ تم لات وعزیٰ بت اور اپنے ہم پیمان جنوں کو چھوڑ دو اور اس کی بدعت وضلالت کی پیروی کرنے لگ جاؤ اس کی نہ سننا، اور اس کی پیروی نہ کرنا‘‘۔

میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ یہ ’’اس کا چچا ابولہب ہے‘‘۔

ابولہب پیغمبر کا پیچھا کرتا رہا

جب مکہ سے باہر کے لوگوں کا کوئی گروہ اس شہر میں داخل ہوتا تھا تو وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی رشتہ داری اور سن وسال کے

[1] ذی المجاز عرفات کے نزدیک مکہ سے تھوڑے سے فاصلہ پر ہے۔

لحاظ سے بڑا ہونے کی بنا پر ابولہب کے پاس جاتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تحقیق کرتا تھا وہ جواب دیتا تھا: محمد ایک جادوگر ہے، وہ بھی پیغمبر سے ملاقات کئے بغیر ہی لوٹ جاتے اسی اثناء میں ایک ایسا گروہ آیا جنہوں نے یہ کہا کہ ہم تو اسے دیکھے بغیر واپس نہیں جائیں گے ابولہب نے کہا: ''ہم مسلسل اس کے جنون کا علاج کررہے ہیں: وہ ہلاک ہوجائے''۔

وہ اکثر مواقع پر سایہ کی طرح پیغمبر کے پیچھے لگا رہتا تھا اور کسی خرابی سے فروگذاشت نہ کرتا تھا خصوصاً اس کی زبان بہت ہی گندی اور آلودہ ہوتی تھی اور وہ رکیک اور چبھنے والی باتیں کیا کرتا تھا اور شاید اسی وجہ سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب دشمنوں کا سرغنہ شمار ہوتا تھا اسی بناء پر قرآن کریم اس پر اور اس کی بیوی ام جمیل پر ایسی صراحت اور سختی کے ساتھ تنقید کررہا ہے وہی ایک اکیلا ایسا شخص تھا جس نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بنی ہاشم کی حمایت کے عہد و پیمان پر دستخط نہیں کئے تھے اور اس نے آپ کے دشمنوں کی صف میں رہتے ہوئے دشمنوں کے عہد و پیمان میں شرکت کی تھی۔

ابولہب کے ہاتھ کٹ جائیں

''ابن عباس'' سے نقل ہوا ہے کہ جس وقت آیہ ''وانذر عشيرتك الاقربين'' نازل ہوئی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے قریبی رشتہ داروں کو انذار کرنے اور اسلام کی دعوت دینے پر مامور ہوئے، تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوہ صفا پر آئے اور پکار کر کہا ''یا صباحاہ'' (یہ جملہ عرب اس وقت کہتے تھے جب ان پر دشمن کی طرف سے غفلت کی حالت میں حملہ ہوجاتا تھا تاکہ سب کو باخبر کردیں اور وہ مقابلہ کے لیے کھڑے ہوجائیں، لہٰذا کوئی شخص ''یا صباحاہ'' کہہ کر آواز دیتا تھا ''صباح'' کے لفظ کا انتخاب اس وجہ سے کیا جاتا تھا کہ عام طور پر غفلت کی حالت میں حملے صبح کے وقت کیے جاتے تھے۔

مکہ کے لوگوں نے جب یہ صدا سنی تو انہوں نے کہا کہ یہ کون ہے جو فریاد کررہا ہے۔

کہا گیا کہ یہ ''محمد'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ کچھ لوگ آپ کے پاس پہنچے تو آپؐ نے قبائل عرب کو ان کے نام کے ساتھ پکارا۔ آپؐ کی آواز پر سب کے سب جمع ہوگئے تو آپؐ نے ان سے فرمایا:

''مجھے بتلاؤ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ دشمن کے سوار اس پہاڑ کے پیچھے سے حملہ کرنے والے ہیں، تو کیا تم میری بات کی تصدیق کروگے''۔

انہوں نے جواب دیا: ''ہم نے آپؐ سے کبھی بھی جھوٹ نہیں سنا''۔

آپؐ نے فرمایا:

''انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید''۔

''میں تمہیں خدا کے شدید عذاب سے ڈراتا ہوں''۔

(''میں تمہیں توحید کا اقرار کرنے اور بتوں کو ترک کرنے کی دعوت دیتا ہوں'') جب ابولہب نے یہ بات سنی تو اس نے کہا:

''تبا لکا ما جمعتنا الا لهذا؟''۔

تو ہلاک ہوجائے کیا تو نے ہمیں صرف اس بات کے لیے جمع کیا ہے؟

اس موقع پر یہ سورہ نازل ہوا: (تبت يدا ابی لهب و تب)۔[1]

---

[1] سورہ لہب آیت 1 تا 2

''اے ابولہب تو ہی ہلاک ہو اور تیرے ہاتھ ٹوٹیں، تو ہی زیاں کار اور ہلاک ہونے والا ہے، اس کے مال وثروت نے اور جو کچھ اس نے کمایا ہے اس نے، اسے ہرگز کوئی فائدہ نہیں دیا اور وہ اسے عذاب الٰہی سے نہیں بچائے گا''۔

اس تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک دولت مند مغرور شخص تھا جو اپنی اسلام دشمن کوششوں کے لئے اپنے مال ودولت پر بھروسہ کرتا تھا۔

بعد میں قرآن مزید یہ کہتا ہے، ''وہ جلدی ہی اس آگ میں داخل ہوگا جس کے شعلے بھڑکنے والے ہیں''۔ [۱]

اگر اس کا نام ''ابولہب'' ہے تو اس کے لئے عذاب بھی ''بولہب'' ہے یعنی اس کے لئے بھڑکتے ہوئے آگ کے شعلہ ہیں۔

ایندھن اٹھائے ہوئے

قرآن کریم نے اس کے بعد اس کی بیوی ''ام جمیل'' کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''اس کی بیوی بھی جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگی، جو اپنے دوش پر ایندھن اٹھاتی ہے''۔ [۲]

''اور اس کی گردن میں خرما کی چھال کی رسی یا گردن بند ہے''۔ [۳]

''فی جیدھا حبل من مسد''

''مسد'' (بروزن حسد) اس رسی کے معنی میں ہے جو کھجور کے پتوں سے بنائی جاتی ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ ''مسد'' وہ رسی ہے جو جہنم میں اس کی گردن میں ڈالیں گے جس میں کھجور کے پتوں جیسی سختی ہوگی اور اس میں آگ کی حرارت اور لوہے کی سنگینی ہوگی۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ چونکہ بڑے لوگوں کی عورتیں اپنی شخصیت کو آلات وزیورات خصوصاً گردن کے قیمتی زیورات سے زینت دینے میں خاص بات سمجھتی ہیں، لہٰذا خدا قیامت میں اس مغرور وخود پسند عورت کی تحقیر کے لیے لیف خرما کا ایک گردن بند اس کی گردن میں ڈال دے گا یا یہ اصلاً اس کی تحقیر سے کنایہ ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس تعبیر کے بیان کرنے کا سبب یہ ہے کہ ''ام جمیل'' کے پاس جواہرات کا ایک بہت ہی قیمتی گردن بند تھا اور اس نے یہ قسم کھائی تھی کہ وہ اسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی میں خرچ کرے گی لہٰذا اس کے اس کام کے بدلے میں خدا نے بھی اس کے لئے ایسا عذاب مقرر کر دیا ہے۔

ابولہب کا عبرت ناک انجام

روایات میں آیا ہے کہ جنگ ''بدر'' اور سخت شکست کے بعد، جو مشرکین قریش کو اٹھانی پڑی تھی، ابولہب نے جو خود میدان جنگ میں شریک نہیں ہوا تھا، ابوسفیان کے واپس آنے پر اس ماجرے کے بارے میں سوال کیا، ابوسفیان کے قریش کے لشکر کی شکست اور سرکوبی کی کیفیت بیان کی، اس کے بعد اس نے مزید کہا: خدا کی قسم ہم نے اس جنگ میں آسمان وزمین کے درمیان ایسے سوار دیکھے ہیں جو محمد کی مدد کے لیے آئے تھے۔

اس موقع پر ''عباس'' کے ایک غلام ''ابورافع'' نے کہا: میں وہاں بیٹھا ہوا تھا، میں نے اپنے ہاتھ بلند کیے اور کہا کہ وہ آسمانی

---

[۱] سورہ لہب آیت 3

[۲] سورہ تبت آیت 4

[۳] سورہ تبت آیت 4

فرشتے تھے۔

اس سے ابولہب بھڑک اٹھا اور اس نے ایک زوردار تھپڑ میرے منہ پر دے مارا، مجھے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے مجھے پیٹنے چلے جارہا تھا وہاں عباس کی بیوی "ام الفضل" بھی موجود تھی اس نے ایک چھڑی اٹھائی اور ابولہب کے سر پر دے ماری اور کہا: "کیا تو نے اس کمزور آدمی کو اکیلا سمجھا ہے؟"

ابولہب کا سر پھٹ گیا اور اس سے خون بہنے لگا سات دن کے بعد اس کے بدن میں بدبو پیدا ہوگئی، اس کی جلد میں طاعون کی شکل کے دانے نکل آئے اور وہ اسی بیماری سے واصل جہنم ہوگیا۔

اس کے بدن سے اتنی بدبو آرہی تھی کہ لوگ اس کے نزدیک جانے کی جرأت نہیں کرتے تھے وہ اسے مکہ سے باہر لے گئے اور دور سے اس پر پانی ڈالا اور اس کے بعد اس کے اوپر پتھر پھینکے یہاں تک کہ اس کا بدن پتھروں اور مٹی کے نیچے چھپ گیا۔

ابوسفیان وابوجہل چھپ کر قرآن سنتے ہیں

ایک شب ابوسفیان، ابوجہل اور مشرکین کے بہت سے دوسرے سردار جداگانہ طور پر اور ایک دوسرے سے چھپ کر آنحضرت ﷺ سے قرآن سننے کے لئے آگئے آپ اس وقت نماز پڑھنے میں مشغول تھے اور ہر ایک، ایک دوسرے سے بالکل بے خبر علیحدہ علیحدہ مقامات پر چھپ کر بیٹھ گئے چنانچہ وہ رات گئے تک قرآن سنتے رہے اور جب واپس پلٹنے لگے تو اس وقت صبح کی سفیدی نمودار ہو چکی تھی۔ اتفاق سے سب نے واپسی کے لیے ایک ہی راستے کا انتخاب کیا اور ان کی اچانک ایک دوسرے سے ملاقات ہوگئی اور ان کا بھانڈا وہیں پر پھوٹ گیا انھوں نے ایک دوسرے کو ملامت کی اور اس بات پر زور دیا کہ آئندہ ایسا کام نہیں کریں گے، اگر نا سمجھ لوگوں کو پتہ چل گیا تو وہ شک وشبہ میں پڑ جائیں گے۔

دوسری اور تیسری رات بھی ایسا ہی اتفاق ہوا اور پھر وہی باتیں دہرائی گئیں اور آخری رات تو انھوں نے کہا جب تک اس بات پر پختہ عہد نہ کرلیں اپنی جگہ سے ہلیں گے نہیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور پھر ہر ایک نے اپنی راہ لی۔ اسی رات کی صبح اخنس بن شریق نامی ایک مشرک اپنا عصا لے کر سیدھا ابوسفیان کے گھر پہنچا اور اسے کہا: تم نے جو کچھ محمدؐ سے سنا ہے اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

اس نے کہا: خدا کی قسم: کچھ مطالب ایسے سنے ہیں جن کا معنی بخوبی سمجھ سکا ہوں اور کچھ مسائل کی مراد اور معنی کو نہیں سمجھ سکا۔

اخنس وہاں سے سیدھا ابوجہل کے پاس پہنچا اس سے بھی وہی سوال کیا: تم نے جو کچھ محمد سے سنا ہے اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

ابوجہل نے کہا: سنا کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہماری اور اولاد عبدمناف کی قدیم زمانے سے رقابت چلی آرہی ہے انھوں نے بھوکوں کو کھانا کھلایا، ہم نے بھی کھلایا، انھوں نے پیدل لوگوں کو سواریاں دیں ہم نے بھی دیں، انھوں نے لوگوں پر خرچ کیا، سو ہم نے بھی کیا گویا ہم دوش بدوش آگے بڑھتے رہے۔ جب انھوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ان کے پاس وحی آسمانی بھی آتی ہے تو اس بارے میں ہم ان کے ساتھ کس طرح برابری کر سکتے ہیں؟ اب جب کہ صورت حال یہ ہے تو خدا کی قسم ہم نہ تو کبھی اس پر ایمان لائیں گے اور نہ ہی اس کی تصدیق کریں گے۔ اخنس نے جب یہ بات سنی تو وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ [1]

جی ہاں: قرآن کی کشش نے ان پر اس قدر اثر کر دیا کہ وہ سپیدہ صبح تک اس الٰہی کشش میں گم رہے لیکن خودخواہی، تعصب

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد اول ص 337، اور تفسیر فی ظلال القرآن جلد 6 ص 173

اور مادی فوائدان پر اس قدر غالب آ چکے تھے کہ انھوں نے حق قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس میں شک نہیں کہ اس نور الٰہی میں اس قدر طاقت ہے کہ ہر آمادہ دل کو وہ جہاں بھی ہو، اپنی طرف جذب کر لیتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس (قرآن) کا ان آیات میں ''جہاد کبیر'' کہہ کر تعارف کروایا گیا ہے۔[1]

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک دن ''اخنس بن شریق'' کا ابوجہل سے آمنا سامنا ہوگیا جب کہ وہاں پر اور کوئی دوسرا آدمی موجود نہیں تھا۔ تو اخنس نے اس سے کہا: سچ بتاؤ محمدؐ سچا ہے، یا جھوٹا؟ قریش میں سے کوئی شخص سوا میرے اور تیرے یہاں موجود نہیں ہے جو ہماری باتوں کو سنے۔

ابوجہل نے کہا: وائے ہو تجھ پر خدا کی قسم وہ میرے عقیدے میں سچ کہتا ہے اور اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا لیکن اگر یہ اس بات کی بنا ہو جائے کہ محمدؐ کا خاندان سب چیزوں کو اپنے قبضہ میں کر لے، حج کا پرچم، حاجیوں کو پانی پلانا، کعبہ کی پردہ داری اور مقام نبوت تو باقی قریش کے لئے کیا باقی رہ جائے گا۔[2]

اسلام کے پہلے مہاجرین

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور عمومی دعوت کے ابتدائی سالوں میں مسلمان بہت ہی کم تعداد میں تھے قریش نے قبائل عرب کو یہ نصیحت کر رکھی تھی کہ ہر قبیلہ اپنے قبیلہ کے ان لوگوں پر کہ جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لا چکے ہیں انتہائی سخت دباؤ ڈالیں اور اس طرح مسلمانوں میں سے ہر کوئی اپنی قوم وقبیلہ کی طرف سے انتہائی سختی اور دباؤ میں مبتلا تھا اس وقت مسلمانوں کی تعداد جہاد آزادی شروع کرنے کے لئے کافی نہیں تھی۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس چھوٹے سے گروہ کی حفاظت اور مسلمانوں کے لئے حجاز سے باہر قیام گاہ مہیا کرنے کے لئے انہیں ہجرت کا حکم دے دیا اور اس مقصد کے لئے حبشہ کو منتخب فرمایا اور کہا کہ وہاں ایک نیک دل بادشاہ ہے جو ظلم وستم کرنے سے اجتناب کرتا ہے۔ تم وہاں چلے جاؤ یہاں تک کہ خداوند تعالیٰ کوئی مناسب موقع ہمیں عطا فرمائے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد نجاشی سے تھی (نجاشی ایک عام نام تھا جیسے ''کسریٰ'' جو حبشہ کے تمام بادشاہوں کا خاص لقب تھا لیکن اس نجاشی کا اصل نام جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم عصر تھا اصحمہ تھا جو کہ حبشہ کی زبان میں عطیہ وبخشش کے معنی میں ہے)۔

مسلمانوں میں سے گیارہ مرد اور چار عورتیں حبشہ جانے کے لئے تیار ہوئے اور ایک چھوٹی سی کشتی کرایہ پر لے کر بحری راستے سے حبشہ جانے کے لئے روانہ ہو گئے۔ یہ بعثت کے پانچویں سال ماہ رجب کا واقعہ ہے۔ کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ جناب جعفر بن ابوطالب علیہ السلام بھی مسلمانوں کے ایک دوسرے گروہ کے ساتھ حبشہ چلے گئے۔ اب اس اسلامی جمعیت میں 82 مردوں کے علاوہ کافی تعداد میں عورتیں اور بچے بھی تھے۔

مشرکین، مہاجرین کی تعقیب میں

اس ہجرت کی بنیاد بت پرستوں کے لئے سخت تکلیف دہ تھی کیونکہ وہ اچھی طرح سے دیکھ رہے تھے کہ کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرے گا کہ وہ لوگ جو تدریجاً اسلام کو قبول کر چکے ہیں اور حبشہ کی سرزمین امن وامان کی طرف چلے گئے ہیں، مسلمانوں کی ایک طاقتور جماعت کی صورت اختیار کر لیں گے یہ حیثیت ختم کرنے کے لئے انہوں نے کام کرنا شروع کر دیا اس مقصد کے لئے انہوں نے

---

[1] تفسیر نمونہ ج8 ص144

[2] مندرجہ بالا روایات تفسیر المنار اور مجمع البیان سے سورہ انعام آیت 33 کے ذیل میں بیان کردہ تفسیر سے لی گئی ہیں۔

جوانوں میں سے دو ہوشیار، فعال، حیلہ باز اور عیار جوانوں یعنی عمرو بن عاص اور عمارہ بن ولید کا انتخاب کیا بہت سے ہدیے دے کر ان کو حبشہ کی طرف روانہ کیا گیا، ان دونوں نے کشتی میں بیٹھ کر شراب پی اور ایک دوسرے سے لڑ پڑے لیکن آخر کار وہ اپنی سازش کو روبہ عمل لانے کے لئے سرزمین حبشہ میں داخل ہوگئے۔ ابتدائی مراحل طے کرنے کے بعد وہ نجاشی کے دربار میں پہنچ گئے، دربار میں باریاب ہونے سے پہلے انہوں نے نجاشی کے درباریوں کو بہت قیمتی ہدیے دے کر ان کو اپنا موافق بنایا تھا اور ان سے اپنی طرفداری اور تائید کرنے کا وعدہ لے لیا تھا۔

''عمرو عاص'' نے اپنی گفتگو شروع کی اور نجاشی سے اس طرح ہم کلام ہوا:

ہم سرداران مکہ کے بھیجے ہوئے ہیں ہمارے درمیان کچھ کم عقل جوانوں نے مخالفت کا علم بلند کیا ہے اور وہ اپنے بزرگوں کے دین سے پھر گئے ہیں، اور ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتے ہیں، انہوں نے فتنہ وفساد برپا کر دیا ہے لوگوں میں نفاق کا بیج بو دیا ہے، آپ کی سرزمین کی آزادی سے انہوں نے غلط فائدہ اٹھایا ہے اور انہوں نے یہاں آکر پناہ لے لی ہے، ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ وہ یہاں بھی خلل اندازی نہ کریں بہتر یہ ہے کہ آپ انہیں ہمارے سپرد کر دیں تاکہ ہم انہیں اپنی جگہ واپس لے جائیں۔

یہ کہہ کر ان لوگوں نے وہ ہدیے جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے پیش کیے۔

نجاشی نے کہا: جب تک میں اپنی حکومت میں پناہ لینے والوں کے نمائندوں سے نہ مل لوں اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کر سکتا اور چونکہ یہ ایک مذہبی بحث ہے لہٰذا ضروری ہے کہ تمہاری موجودگی میں مذہبی نمائندوں کو بھی ایک جلسہ میں دعوت دی جائے۔

جعفر بن ابی طالب مہاجرین کے بہترین خطیب

چنانچہ دوسرے دن ایک اہم جلسہ منعقد ہوا، اس میں نجاشی کے مصاحبین اور عیسائی علماء کی ایک جماعت شریک تھی جعفر بن ابی طالب مسلمانوں کے نمائندہ کی حیثیت سے موجود تھے اور قریش کے نمائندے بھی حاضر ہوئے نجاشی نے قریش کے نمائندوں کی باتیں سننے کے بعد جناب جعفر کی طرف رخ کیا اور ان سے خواہش کی کہ وہ اس سلسلے میں اپنا نقطۂ نظر بیان کریں جناب جعفر ادائے احترام کے بعد اس طرح گویا ہوئے: پہلے ان سے پوچھیے کہ کیا ہم ان کے بھاگے ہوئے غلاموں میں سے ہیں؟

عمرو نے کہا: نہیں بلکہ آپ آزاد ہیں۔

جعفر: ان سے یہ بھی پوچھئے کہ کیا ان کا کوئی قرض ہمارے ذمہ ہے کہ جس کا وہ ہم سے مطالبہ کرتے ہیں؟

عمرو: نہیں ہمارا آپ سے ایسا کوئی مطالبہ نہیں ہے۔

جعفر: کیا ہم نے تمہارا کوئی خون بہایا ہے کہ جس کا ہم سے بدلہ لینا چاہتے ہو؟

عمرو: نہیں ایسا کچھ نہیں ہے؟

جعفر: تو پھر تم ہم سے کیا چاہتے ہو؟ تم نے ہم پر اتنی سختیاں کیں اور اتنی تکلیفیں پہنچائیں اور ہم تمہاری سرزمین سے جو سراسر مرکز ظلم وجور تھی باہر نکل آئے ہیں۔

اس کے بعد جناب جعفر نے نجاشی کی طرف رخ کیا اور کہا: ہم جاہل اور نادان تھے، بت پرستی کرتے تھے، مردار کا گوشت کھاتے تھے، طرح طرح کے برے اور شرمناک کام انجام دیتے تھے، قطع رحمی کرتے تھے، اپنے ہمسایوں سے برا سلوک کرتے تھے اور ہمارے طاقتور کمزوروں کے حقوق ہڑپ کر جاتے تھے۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے ہمارے درمیان ایک پیغمبر کو مبعوث فرمایا، جس نے

ہمیں حکم دیا کہ ہم خدا کا کوئی مثل اور شریک نہ بنائیں اور فحشاء ومنکر، ظلم وستم اور قمار بازی ترک کردیں ہمیں حکم دیا کہ ہم نماز پڑھیں، زکوٰۃ ادا کریں، عدل واحسان سے کام لیں اور اپنے وابستگان کی مدد کریں۔

نجاشی نے کہا: عیسیٰ مسیح علیہ السلام بھی انہی چیزوں کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔

اس کے بعد اس نے جناب جعفر سے پوچھا: ان آیات میں سے جو تمہارے پیغمبر پر نازل ہوئی ہیں کچھ تمہیں یاد ہیں۔جعفر نے کہا: جی ہاں: اور پھر انہوں نے سورہ مریم کی تلاوت شروع کردی، اس سورہ کی ایسی ہلا دینے والی آیات کے ذریعہ جو مسیح علیہ السلام اوران کی ماں کو ہر قسم کی ناروا تہمتوں سے پاک قرار دیتی ہیں، جناب جعفر کے حسن انتخاب نے عجیب وغریب اثر کیا یہاں تک کہ مسیحی علماء کی آنکھوں سے فرط شوق میں آنسو بہنے لگے اور نجاشی نے پکار کر کہا: خدا کی قسم: ان آیات میں حقیقت کی نشانیاں نمایاں ہیں۔

جب عمر نے چاہا کہ اب یہاں کوئی بات کرے اور مسلمانوں کو اس کے سپرد کرنے کی درخواست کرے، نجاشی نے ہاتھ بلند کیا اور زور سے عمرو کے منہ پر مارا اور کہا: خاموش رہو، خدا کی قسم اگر ان لوگوں کی مذمت میں اس سے زیادہ کوئی بات کی تو میں تجھے سزا دوں گا، یہ کہہ کر مامورین حکومت کی طرف رخ کیا اور پکار کر کہا: ان کے ہدیے ان کو واپس کردو اور انہیں حبشہ کی سرزمین سے باہر نکال دو جناب جعفر اوران کے ساتھیوں سے کہا: تم آرام سے میرے ملک میں زندگی بسر کرو۔

اس واقعہ نے جہاں جعفرؓ اوران کے ساتھیوں سے کہا تم آرام سے میرے ملک میں زندگی بسر کرو۔[1]

اس واقعہ نے جہاں حبشہ کے کچھ لوگوں پر اسلام شناسی کے سلسلے میں گہرا تبلیغی اثر کیا وہاں یہ واقعہ اس بات کا بھی سبب بنا کہ مکے کے مسلمان اس کو ایک اطمینان بخش جائے پناہ شمار کریں اور نئے مسلمان ہونے والوں کو اس دن کے انتظار میں کہ جب وہ کافی قدرت وطاقت حاصل کریں، وہاں پر بھیجتے رہیں۔

فتح خیبر کی زیادہ خوشی ہے یا جعفر کے پلٹنے کی

کئی سال گزر گئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہجرت فرما گئے اور اسلام روز بروز ترقی کی منزلیں طے کرنے لگا، عہد نامہ حدیبیہ لکھا گیا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح خیبر کی طرف متوجہ ہوئے اس وقت جب کہ مسلمان یہودیوں کے سب سے بڑے اور خطرناک مرکز کے لوٹنے کی وجہ سے اتنے خوش تھے کہ پھولے نہیں سماتے تھے، دور سے انہوں نے ایک مجمع کو لشکر اسلام کی طرف آتے ہوئے دیکھا، تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ معلوم ہوا کہ یہ وہی مہاجرین حبشہ ہیں، جو آغوش وطن میں پلٹ کر آرہے ہیں، جب کہ دشمنوں کی بڑی بڑی طاقتیں دم توڑ چکی ہیں اور اسلام کا پودا اپنی جڑیں کافی پھیلا چکا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب جعفر اور مہاجرین حبشہ کو دیکھ کر یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا:

''میں نہیں جانتا کہ مجھے خیبر کے فتح ہونے کی زیادہ خوشی ہے یا جعفر کے پلٹ آنے کی''

کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے علاوہ شامیوں میں سے آٹھ افراد کہ جن میں ایک مسیحی راہب بھی تھا اوران کا اسلام کی طرف شدید میلان پیدا ہوگیا تھا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے سورہ یٰسین کی کچھ آیات سننے کے بعد رونا شروع کردیا اور مسلمان ہوگئے اور کہنے لگے کہ یہ آیات مسیح علیہ السلام کی سچی تعلیمات سے کس قدر مشابہت رکھتی ہیں۔

---

[1] بہت سے مفسرین نے نقل کیا ہے کہ سورہ مائدہ آیات 82 تا 86 نجاشی اوراس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

اس روایت کے مطابق جوتفسیر المنار، میں سعید بن جبیر سے منقول ہے نجاشی نے اپنے یاروانصار میں سے تیس بہترین افراد کوپیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دین اسلام کے ساتھ اظہار عقیدت کے لئے مدینہ بھیجا تھا اور یہ وہی تھے جو سورہ یٰسین کی آیات سن کر رو پڑے تھے اور اسلام قبول کرلیا تھا۔

معراج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

علماء اسلام کے درمیان مشہور یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت مکہ میں تھے تو ایک ہی رات میں آپ قدرت الٰہی سے مسجد الحرام سے اقصیٰ پہنچے کہ جو بیت المقدس میں ہے، وہاں سے آپ آسمانوں کی طرف گئے، آسمانی وسعتوں میں عظمت الٰہی کے آثار مشاہدہ کئے اور اسی رات مکہ واپس آ گئے۔

نیز یہ بھی مشہور ہے کہ یہ زمینی اور آسمانی سیر جسم اور روح کے ساتھ تھی البتہ یہ سیر چونکہ بہت عجیب غریب اور بے نظیر تھی لہٰذا بعض حضرات نے اس کی توجیہ کی اور اسے معراج روحانی قرار دیا اور کہا کہ یہ ایک طرح کا خواب تھا یا مکاشفہ روحی تھا لیکن جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں یہ بات قرآن کے ظاہری مفہوم کے بالکل خلاف ہے کیونکہ ظاہر قرآن اس معراج کے جسمانی ہونے کی گواہی دیتا ہے۔

معراج کی کیفیت قرآن وحدیث کی نظر سے

قرآن حکیم کی دوسورتوں میں اس مسئلے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے پہلی سورت بنی اسرائیل ہے اس میں اس سفر کے ابتدائی حصے کا تذکرہ ہے۔ (یعنی مکہ کی مسجد الحرام سے بیت المقدس کی مسجد الاقصیٰ تک کا سفر) اس سلسلے کی دوسری سورت سورہ نجم ہے اس کی آیات 13 تا 18 میں معراج کا دوسرا حصہ بیان کیا گیا ہے اور یہ آسمانی سیر کے متعلق ہے ارشاد ہوتا ہے:

ان چھ آیات کا مفہوم یہ ہے: رسول اللہ نے فرشتہ وحی جبرائیل کو اس کو اصلی صورت میں دوسری مرتبہ دیکھا (پہلے آپ اسے نزول وحی کے آغاز میں کوہ حرا میں دیکھ چکے تھے) یہ ملاقات بہشت جاوداں کے پاس ہوئی، یہ منظر دیکھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی اشتباہ کا شکار نہ تھے آپ نے عظمت الٰہی کی عظیم نشانیاں مشاہدہ کیں۔

یہ آیات کہ جو اکثر مفسرین کے بقول واقعہ معراج سے متعلق ہیں یہ بھی نشاندہی کرتی ہیں کہ یہ واقعہ عالم بیداری میں پیش آیا خصوصاً "مازاغ البصر وماطغی" اس امر کا شاہد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ کسی خطا واشتباہ اور انحراف سے دوچار نہیں ہوئی۔

اس واقعے کے سلسلے میں مشہور اسلامی کتابوں میں بہت زیادہ روایات نقل ہوئی ہیں۔

علماء اسلام نے ان روایات کے تواتر اور شہرت کی گواہی دی ہے۔

معراج کی تاریخ

واقعہ معراج کی تاریخ کے سلسلے میں اسلامی مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ یہ واقعہ بعثت کے دسویں سال 27 رجب کی شب پیش آیا، بعض کہتے ہیں کہ یہ بعثت کے بارہویں سال 17 رمضان المبارک کی رات وقوع پذیر ہوا جب کہ بعض اسے اوائل بعثت میں ذکر کرتے ہیں لیکن اس کے وقوع پذیر ہونے کی تاریخ میں اختلاف، اصل واقعہ پر اختلاف میں حائل نہیں ہوتا۔

اس نکتے کا ذکر بھی ضروری ہے کہ صرف مسلمان ہی معراج کا عقیدہ نہیں کھتے بلکہ دیگر ادیان کے پیروکاروں میں بھی کم و بیش یہ عقیدہ پایا جاتا ہے ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ عقیدہ عجیب تر صورت میں نظر آتا ہے جیسا کہ انجیل مرقس کے باب 6 لوقا کے باب 24 اور یوحنا کے باب 21 میں ہے:

عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہونے کے بعد دفن ہوگئے تو مردوں میں سے اٹھ کھڑے ہوئے، اور چالیس روز تک لوگوں میں موجود رہے پھر آسمان کی طرف چڑھ گئے (اور ہمیشہ کے لئے معراج پر چلے گئے)

ضمناً یہ وضاحت بھی ہوجائے کہ بعض اسلامی روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض گزشتہ انبیاء کو بھی معراج نصیب ہوئی تھی۔

پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آسمانی سفر چند مرحلوں میں طے کیا۔

پہلا مرحلہ، مسجد الحرام اور مسجد اقصی کے درمیانی فاصلہ کا مرحلہ تھا، جس کی طرف سورہ اسراء کی پہلی آیت میں اشارہ ہوا ہے: ''منزہ ہے وہ خدا جو ایک رات میں اپنے بندہ کو مسجد الحرام سے مسجد اقصی تک لے گیا''۔ بعض معتبر روایات کے مطابق آپؐ نے اثناء راہ میں جبرائیل علیہ السلام کی معیت میں سرزمین مدینہ میں نزول فرمایا اور وہاں نماز پڑھی۔

اور مسجد الاقصی میں بھی ابراہیم وموسیٰ وعیسی علیہم السلام انبیاء کی ارواح کی موجودگی میں نماز پڑھی اور امام جماعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، اس کے بعد وہاں سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آسمانی سفر شروع ہوا، اور آپؐ نے ساتوں آسمانوں کو یکے بعد دیگرے عبور کیا اور ہر آسمان میں ایک نیا ہی منظر دیکھا، بعض آسمانوں میں پیغمبروں اور فرشتوں سے، بعض آسمانوں میں دوزخ اور دوزخیوں سے اور بعض میں جنت اور جنتیوں سے ملاقات کی، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک سے بہت سی تربیتی اور اصلاحی قیمتی باتیں اپنی روح پاک میں ذخیرہ کیں اور بہت سے عجائبات کا مشاہدہ کیا جن میں سے ہر ایک عالم ہستی کے اسرار میں سے ایک راز تھا، اور واپس آنے کے بعد ان کو صراحت کے ساتھ اور بعض اوقات کنایہ اور مثال کی زبان میں امت کی آگاہی کے لئے مناسب فرصتوں میں بیان فرماتے تھے، اور تعلیم وتربیت کے لئے اس سے بہت زیادہ فائدہ اٹھاتے تھے۔

یہ امر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس آسمانی سفر کا ایک اہم مقصد، ان قیمتی مشاہدات کے تربیتی وعرفانی نتائج سے استفادہ کرنا تھا، اور قرآن کی یہ پر معنی تعبیر "لقد رای من آیات ربه الکبری"[1]

ان تمام امور کی طرف ایک اجمالی اور سربستہ اشارہ ہوسکتی ہے۔

البتہ جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں کہ وہ بہشت اور دوزخ جس کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر معراج میں مشاہدہ کیا اور کچھ لوگوں کو وہاں عیش میں اور عذاب میں دیکھا، وہ قیامت والی جنت اور دوزخ نہیں تھیں، بلکہ وہ برزخ والی جنت ودوزخ تھیں، کیونکہ قرآن مجید کے مطابق جیسا کہ کہتا ہے کہ قیامت والی جنت ودوزخ قیام قیامت اور حساب وکتاب سے فراغت کے بعد نیکوکاروں اور بدکاروں کو نصیب ہوگی۔

آخر کار آپ ساتویں آسمان پر پہنچ گئے، وہاں نور کے بہت سے حجابوں کا مشاہدہ کیا، وہی جگہ جہاں پر ''سدرة المنتہیٰ'' اور ''جنة الماویٰ'' واقع تھی، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جہان سراسر نور وروشنی میں، شہود باطنی کی اوج، اور قرب الی اللہ اور مقام ''قاب قوسین اوادنی'' پر فائز ہوئے اور خدا نے اس سفر میں آپ کو مخاطب کرتے ہوئے بہت سے اہم احکام دیئے اور بہت سے ارشادات فرمائے جن کا ایک مجموعہ اس وقت اسلامی روایات میں ''احادیث قدسی'' کی صورت میں ہمارے لئے یادگار رہ گیا ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ بہت سی روایات کی تصریح کے مطابق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عظیم سفر کے مختلف حصوں میں اچانک

---

[1] سورہ نجم آیت 18

علی علیہ السلام کو اپنے پہلو میں دیکھا، اوران روایات میں کچھ ایسی تعبیریں نظر آتی ہیں، جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد علی علیہ السلام کے مقام کی حد سے زیادہ عظمت کی گواہ ہیں۔

معراج کی ان سب روایات کے باوجود کچھ ایسے پیچیدہ اور اسرار آمیز جملے ہیں جن کے مطالب کو کشف کرنا آسان نہیں ہے، اور اصطلاح کے مطابق روایات متشابہ کا حصہ ہیں یعنی ایسی روایات جن کی تشریح کو خود معصومین علیہم السلام کے سپرد کر دینا چاہئے۔[1]

ضمنی طور پر، معراج کی روایات اہل سنت کی کتابوں میں بھی تفصیل سے آئی ہیں، اور ان کے راویوں میں سے تقریباً 30 افراد نے حدیث معراج کو نقل کیا ہے۔

یہاں یہ سوال سامنے آتا ہے: یہ اتنا لمبا سفر طے کرنا اور یہ سب عجیب اور قسم قسم کے حادثات، اور یہ ساری لمبی چوڑی گفتگو، اور یہ سب کے سب مشاہدات ایک ہی رات میں یا ایک رات سے بھی کم وقت میں کس طرح سے انجام پا گئے؟

لیکن ایک نکتہ کی طرف توجہ کرنے سے اس سوال کا جواب واضح ہوجاتا ہے، سفر معراج ہرگز ایک عام سفر نہیں تھا، کہ اسے عام معیاروں سے پرکھا جائے نہ تو اصل سفر معمولی تھا اور نہ ہی آپ کی سواری معمولی اور عام تھی، نہ آپ کے مشاہدات عام اور معمولی تھے اور نہ ہی آپ کی گفتگو، اور نہ ہی وہ پیمانے جواس میں استعمال ہوئے، ہمارے کرہ خاکی کے محدود اور چھوٹے پیمانوں کے مانند تھے، اور نہ ہی وہ تشبیہات جواس میں بیان ہوئی ہیں ان مناظر کی عظمت کو بیان کرسکتی ہیں جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشاہدہ کیے، تمام چیزیں خارق العادت صورت میں، اور اس مکان وزمان سے خارج ہونے کے پیمانوں میں، جن سے ہم آشنا نہیں، واقع ہوئیں۔

اس بنا پر کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ یہ امور ہمارے کرہ زمین کے زمانی پیمانوں کے ساتھ ایک رات یا ایک رات سے بھی کم وقت میں واقع ہوئے ہوں[2]

معراج جسمانی تھی یا روحانی؟

شیعہ اور سنی علمائے اسلام کے درمیان مشہور ہے کہ یہ واقعہ عالم بیداری میں صورت پذیر ہوا، سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت اور سورہ نجم کی مذکورہ آیات کا ظاہری مفہوم بھی اس امر کا شاہد ہے کہ یہ واقعہ بیداری کی حالت میں پیش آیا۔

تواریخ اسلامی بھی اس امر پر شاہد وصادق ہیں، تاریخ کہتی ہے: جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واقعہ معراج کا ذکر کیا تو مشرکین نے شدت سے اس کا انکار کردیا اور اسے آپ کے خلاف ایک بہانہ بنالیا۔

یہ بات گواہی دیتی ہے کہ رسول اللہؐ ہرگز خواب یا مکاشفہ روحانی کے مدعی نہ تھے ورنہ مخالفین اس قدر شوروغوغا نہ کرتے۔

یہ جو حسن بصری سے روایت ہے کہ: ''یہ واقعہ خواب میں پیش آیا''۔

اور اسی طرح جو حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ: ''خدا کی قسم بدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے جدا نہیں ہوا صرف آپ کی روح آسمان پر گئی'' ایسی روایات ظاہراً سیاسی پہلو رکھتی ہیں۔

معراج کا مقصد

گزشتہ مباحث پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ معراج کا مقصد یہ نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیدار خدا کے

---

[1] روایات معراج کے سلسلہ میں مزید اطلاع کے لئے بحارالانوار کی جلد 18 از ص 282 تا ص 410 رجوع فرمائیں

[2] تفسیر نمونہ ج 13 ص 97 تا 99

لئے آسمانوں پر جائیں، جیسا کہ سادہ لوح افراد خیال کرتے ہیں، افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض مغربی دانشور بھی نا آگاہی کی بناء پر دوسروں کے سامنے اسلام کا چہرہ بگاڑ کر پیش کرنے کے لئے ایسی باتیں کرتے ہیں ان میں سے ایک مسٹر ''گیور گیو'' بھی ہیں وہ بھی کتاب ''محمد وہ پیغمبر ہیں جنہیں پھر سے پہچانا چاہیے''[1] میں کہتے ہیں:

''محمد اپنے سفر معراج میں ایسی جگہ پہنچے کہ انہیں خدا کے قلم کی آواز سنائی دی، انہوں نے سمجھا کہ اللہ اپنے بندوں کے حساب کتاب میں مشغول ہے البتہ وہ اللہ کے قلم کی آواز تو سنتے تھے مگر انہیں اللہ دکھائی نہ دیتا تھا کیونکہ کوئی شخص خدا کو نہیں دیکھ سکتا خواہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہوں''۔

یہ عبارت نشاندہی کرتی ہے کہ قلم لکڑی کا تھا، ایسا کہ کاغذ پر لکھتے وقت لرزتا تھا اور آواز پیدا کرتا تھا، اسی طرح کی اور بہت سارے خرافات اس میں موجود ہیں۔ جبکہ مقصد معراج یہ تھا کہ اللہ کے عظیم پیغمبر کائنات میں بالخصوص عالم بالا میں موجود عظمت الٰہی کی نشانیوں کا مشاہدہ کریں اور انسانوں کی ہدایت و رہبری کے لئے ایک نیا ادراک اور ایک نئی بصیرت حاصل کریں۔

یہ ہدف واضح طور پر سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت اور سورہ نجم کی آیت 18 میں بیان ہوا ہے۔

امام صادق علیہ السلام سے مقصد معراج پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''خدا ہرگز کوئی مکان نہیں رکھتا اور نہ اس پر کوئی زمانہ گزرتا ہے لیکن وہ چاہتا تھا کہ فرشتوں اور آسمان کے باسیوں کو اپنے پیغمبر کی تشریف آوری سے عزت بخشے اور انہیں آپ کی زیارت کا شرف عطا کرے نیز آپ کو اپنی عظمت کے عجائبات دکھائے تاکہ واپس آکر آپ انہیں لوگوں سے بیان کریں''۔

معراج اور سائنس

گزشتہ زمانے میں بعض فلاسفہ بطلیموس کی طرح یہ نظریہ رکھتے تھے کہ نو آسمان پیاز کے چھلکے کی طرح تہ بہ تہ ایک دوسرے کے اوپر ہیں واقعہ معراج کو قبول کرنے میں ان کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ ان کا یہی نظریہ تھا ان کے خیال میں اس طرح تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ آسمان شگافتہ ہوگئے اور پھر آپس میں مل گئے۔[2]

لیکن ''بطلیموسی'' نظریہ ختم ہو گیا تو آسمانوں کے شگافتہ ہونے کا مسئلہ ختم ہو گیا البتہ علم ہیئت میں جو ترقی ہوئی ہے اس سے معراج کے سلسلے میں نئے سوالات ابھرے ہیں مثلاً؛

1) ایسے فضائی سفر میں پہلی بار رکاوٹ کشش ثقل ہے کہ جس پر کنٹرول حاصل کرنے کے لئے غیر معمولی وسائل و ذرائع کی ضرورت ہے کیونکہ زمین کے مدار اور مرکز ثقل سے نکلنے کے لئے کم از کم چالیس ہزار کلومیٹر فی گھنٹہ رفتار کی ضرورت ہے۔

2) دوسری رکاوٹ یہ ہے کہ زمین کے باہر خلا میں ہوا نہیں ہے جبکہ ہوا کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔

3) تیسری رکاوٹ ایسے سفر میں اس حصہ میں سورج کی جلا دینے والی تپش ہے جبکہ جس حصہ پر سورج کی مستقیماً روشنی پڑ رہی ہے اور اسی طرح اس حصے میں جان لیوا سردی ہے جس میں سورج کی روشنی نہیں پڑ رہی ہے۔

4) اس سفر میں چوتھی رکاوٹ وہ خطرناک شعاعیں ہیں کہ جو فضائے زمین کے اوپر موجود ہیں مثلاً کاسمک ریز cosmic ravs الٹرا وائلٹ ریز ultra violet ravs اور ایکس ریز x ravs یہ شعاعیں اگر تھوڑی مقدار میں انسانی بدن پر پڑیں تو بدن کے آرگانزم

---

[1] مذکورہ کتاب کے فارسی ترجمے کا نام ہے ''محمد پیغمبری کہ از نو باید شناخت'' ص 125 دیکھئے

[2] بعض قدیم فلاسفہ کا نظریہ یہ تھا کہ آسمانوں میں ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ اصطلاح میں وہ کہتے تھے کہ افلاک میں۔۔''خرق'' (پھٹنا) اور ''التیام'' (ملنا) ممکن نہیں۔

otganism کے لئے نقصان دہ نہیں ہیں لیکن فضائے زمین کے باہر یہ شعاعیں بہت تباہ کن ہوتی ہیں (زمین پر رہنے والوں کے لئے زمین کے اوپر موجود فضا کی وجہ سے ان کی تپش ختم ہوجاتی ہے)

5) ایک اور مشکل اس سلسلہ میں یہ ہے کہ خلا میں انسان بے وزنی کی کیفیت سے دوچار ہوجاتا ہے اگرچہ تدریجاً بے وزنی کی عادت پیدا کی جاسکتی ہے لیکن اگر زمین کے باسی بغیر کسی تیاری اور تمہید کے خلا میں جا پہنچیں تو بے وزنی سے نمٹنا بہت ہی مشکل ہے۔

6) آخری مشکل اس سلسلے میں زمانے کی مشکل ہے اور یہ نہایت اہم رکاوٹ ہے کیونکہ دور حاضر کے سائنسی علوم کے مطابق روشنی کی رفتار ہر چیز سے زیادہ ہے اور اگر کوئی آسمانوں کی سیر کرنا چاہے تو ضروری ہوگا کہ اس کی رفتار سے زیادہ ہو۔

ان سوالات کے پیش نظر چند چیزوں پر توجہ

ان امور کے جواب میں ان نکات کی طرف توجہ ضروری ہے۔

1۔ہم جانتے ہیں کہ فضائی سفر کی تمام تر مشکلات کے باوجود آخر کار انسان علم کی قوت سے اس پر دسترس حاصل کر چکا ہے اور سوائے زمانے کی مشکل کے باقی تمام مشکلات حل ہوچکی ہیں اور زمانے والی مشکل بھی بہت دور کے سفر سے مربوط ہے۔

2۔اس میں شک نہیں کہ مسئلہ معراج عمومی اور معمولی پہلو نہیں رکھتا بلکہ یہ اللہ کی لامتناہی قدرت وطاقت کے ذریعے صورت پذیر ہوا اور انبیاء کے تمام معجزات اسی قسم کے تھے زیادہ واضح الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ معجزہ عقلاً محال نہیں ہونا چاہئے اور جب معجزہ بھی عقلاً ممکن ہے، تو باقی معاملات اللہ کی قدرت سے حل ہوجاتے ہیں۔

جب انسان یہ طاقت رکھتا ہے کہ سائنسی ترقی کی بنیاد پر ایسی چیزیں بنالے جو زمینی مرکز ثقل سے باہر نکل سکتی ہیں، ایسی چیزیں تیار کرلے کہ فضائے زمین سے باہر کی ہولناک شعاعیں ان پر اثر نہ کرسکیں اور ایسے لباس تیار کرلے کہ جو اسے انتہائی زیادہ گرمی اور سردی سے محفوظ رکھ سکیں اور مشق کے ذریعے بے وزنی کی کیفیت میں رہنے کی عادت پیدا کرلے، یعنی جب انسان اپنی محدود قوت کے ذریعے یہ کام کرسکتا ہے تو پھر کیا اللہ اپنی لامحدود طاقت کے ذریعہ یہ کام نہیں کرسکتا۔

ہمیں یقین ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو اس سفر کے لئے انتہائی تیز رفتار سواری دی تھی اور اس سفر میں درپیش خطرات سے محفوظ رہنے کے لئے انہیں اپنی مدد کا لباس پہنایا تھا، ہاں یہ سواری کس قسم کی تھی اور اس کا نام کیا تھا براق؟ رفرف؟ یا کوئی اور؟ یہ مسئلہ قدرت کا راز ہے، ہمیں اس کا علم نہیں۔

ان تمام چیزوں سے قطع نظر تیز ترین رفتار کے بارے میں مذکورہ نظریہ آج کے سائنسدانوں کے درمیان متزلزل ہو چکا ہے اگرچہ آئن سٹائن اپنے مشہور نظریہ پر پختہ یقین رکھتا ہے۔

آج کے سائنسداں کہتے ہیں کہ امواج جاذ مہ rdvsofatffion زمانے کی احتیاج کے بغیر آن واحد میں دنیا کی ایک طرف سے دوسری طرف منتقل ہوجاتی ہیں اور اپنا اثر چھوڑتی ہیں یہاں تک کہ یہ احتمال بھی ہے کہ عالم کے پھیلاؤ سے مربوط حرکات میں ایسے منظومے موجود ہیں کہ جو روشنی کی رفتار سے زیادہ تیزی سے مرکز جہان سے دور ہوجاتے ہیں (ہم جانتے ہیں کہ کائنات پھیل رہی ہے اور ستارے اور نظام ہائے شمسی تیزی کے ساتھ ایک دوسرے سے دور ہورہے ہیں) (غور کیجئے گا) مختصر یہ کہ اس سفر کے لئے جو بھی مشکلات بیان کی گئی ہیں ان میں سے کوئی بھی عقلی طور پر اس راہ میں حائل نہیں ہے اور ایسی کوئی بنیاد نہیں کہ واقعہ معراج کو محال عقلی سمجھا

جائے اس راستے میں درپیش مسائل کو حل کرنے کے لئے جو وسائل درکار ہیں وہ موجود ہوں تو ایسا ہوسکتا ہے۔

بہر حال واقعہ معراج نہ تو عقلی دلائل کے حوالے سے ناممکن ہے اور نہ دور حاضر کے سائنسی معیاروں کے لحاظ سے، البتہ اس کے غیر معمولی اور معجزہ ہونے کو سب قبول کرتے ہیں لہٰذا جب قطعی اور یقینی نقلی دلیل سے ثابت ہو جائے تو اسے قبول کر لینا چاہئے۔

شب معراج پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خدا کی باتیں

پیغمبر نے شب معراج پروردگار سبحان سے اس طرح سوال کیا:

پروردگارا: کونسا عمل افضل ہے؟

خداوند تعالیٰ نے فرمایا:

''کوئی چیز میرے نزدیک مجھ پر توکل کرنے، اور جو کچھ میں نے تقسیم کر کے دیا ہے اس پر راضی ہونے سے بہتر نہیں ہے، اے محمدؐ جو لوگ میری خاطر ایک دوسرے کو دوست رکھتے ہیں میری محبت ان کے شامل حال ہوگی اور جو لوگ میری خاطر ایک دوسرے پر مہربان ہیں اور میری خاطر دوستی کے تعلقات رکھتے ہیں انہیں دوست رکھتا ہوں علاوہ بر ایں میری محبت ان لوگوں کے لئے جو مجھ پر توکل کریں فرض اور لازم ہے اور میری محبت کے لئے کوئی حد اور کنارہ اور اس کی انتہا نہیں ہے''۔

اس طرح سے محبت کی باتیں شروع ہوتی ہیں ایسی محبت جس کی کوئی انتہا نہیں، جو کشادہ اور اصولی طور پر عالم ہستی میں اسی محور محبت پر گردش کر رہا ہے۔

ایک اور دوسرے حصہ میں یہ آیا ہے۔

''اے احمد بچوں کی طرح نہ ہونا جو سبز و زرد اور زرق و برق کو دوست رکھتے ہیں اور جب انہیں کوئی عمدہ اور شیریں غذا دے دی جاتی ہے تو وہ مغرور ہو جاتے ہیں اور ہر چیز کو بھول جاتے ہیں''۔

پیغمبر نے اس موقع پر عرض کیا: پروردگارا: مجھے کسی ایسے عمل کی ہدایت فرما جو تیری بارگاہ میں قرب کا باعث ہو۔

فرمایا: رات کو دن اور دن کو رات قرار دے۔

عرض کیا: کس طرح؟

فرمایا: اس طرح کے تیرا سونا نماز ہو اور ہرگز اپنے شکم کو مکمل طور پر سیر نہ کرنا۔

ایک اور حصہ میں آیا ہے:

''اے احمد میری محبت فقیروں اور محروموں سے محبت ہے، ان کے قریب ہو جاؤ اور ان کی مجلس کے قریب بیٹھو کہ میں تیرے نزدیک ہوں اور دنیا پرست اور ثروت مندوں کو اپنے سے دور رکھو اور ان کی مجالس سے بچتے رہو''۔

اہل دنیا و آخرت

ایک اور حصہ میں آیا ہے:

''اے احمد دنیا کے زرق برق اور دنیا پرستوں کو مبغوض شمار کر اور آخرت کو محبوب رکھ'' عرض کرتے ہیں:

پروردگارا: اہل دنیا اور اہل آخرت کون ہیں؟

فرمایا: ''اہل دنیا تو وہ لوگ ہیں جو زیادہ کھاتے ہیں زیادہ ہنستے ہیں زیادہ سوتے ہیں اور غصہ کرتے ہیں اور تھوڑا خوش ہوتے

ہیں نہ ہی تو برائیوں کے مقابلہ میں کسی سے عذر چاہتے ہیں۔اور نہ ہی کسی عذر چاہنے والے سے اس کا عذر قبول کرتے ہیں اطاعت خدا میں سست ہیں اور گناہ کرنے میں دلیر ہیں، لمبی چوڑی آرزوئیں رکھتے ہیں حالانکہ ان کی اجل قریب آپہنچی ہے مگر وہ ہرگز اپنے اعمال کا حساب نہیں کرتے ان سے لوگوں کو بہت کم نفع ہوتا ہے، باتیں زیادہ کرتے ہیں احساس ذمہ داری نہیں رکھتے اور کھانے پینے سے ہی غرض رکھتے ہیں۔

اہل دنیا نہ تو نعمت میں خدا کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور نہ ہی مصائب میں صبر کرتے ہیں۔ زیادہ خدمات بھی ان کی نظر میں تھوڑی ہیں (اور خود ان کی اپنی خدمات تھوڑی بھی زیادہ ہیں) اپنے اس کام کے انجام پانے پر جو انہوں نے انجام نہیں دیا ہے تعریف کرتے ہیں اور ایسی چیز کا مطالبہ کرتے ہیں جو ان کا حق نہیں ہے۔ ہمیشہ اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کی بات کرتے ہیں اور لوگوں کے عیوب تو بیان کرتے رہتے ہیں لیکن ان کی نیکیوں کو چھپاتے ہیں''۔

عرض کیا: پروردگارا: کیا دنیا پرست اس کے علاوہ بھی کوئی عیب رکھتے ہیں؟

فرمایا:''اے احمد ان کا عیب یہ ہے کہ جہل اور حماقت ان میں بہت زیادہ ہے جس استاد سے انہوں علم سیکھا ہے وہ اس سے تواضع نہیں کرتے اور اپنے آپ کو عاقل کل سمجھتے ہیں حالانکہ وہ صاحبان علم کے نزدیک نادان اور احمق ہیں''۔

اہل بہشت کے صفات

خداوند عالم اس کے بعد اہل آخرت اور بہشتیوں کے اوصاف کو یوں بیان کرتا ہے:''وہ ایسے لوگ ہیں جو باحیا ہیں ان کی جہالت کم ہے، ان کے منافع زیادہ ہیں، لوگ ان سے راحت و آرام میں ہوتے ہیں اور وہ خود اپنے ہاتھوں تکلیف میں ہوتے ہیں اور ان کی باتیں سنجیدہ ہوتی ہیں''۔

وہ ہمیشہ اپنے اعمال کا حساب کرتے رہتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ خود کو زحمت میں ڈالتے رہتے ہیں ان کی آنکھیں سوئی ہوئی ہوتی ہیں لیکن ان کے دل بیدار ہوتے ہیں ان کی آنکھ گریاں ہوتی ہے اور ان کا دل ہمیشہ یاد خدا میں مصروف رہتا ہے جس وقت لوگ غافلوں کے زمرہ میں لکھے جارہے ہوں وہ اس وقت ذکر کرنے والوں میں لکھے جاتے ہیں۔

نعمتوں کے آغاز میں حمد خدا بجالاتے ہیں اور ختم ہونے پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں، ان کی دعائیں بارگاہ خدا میں قبول ہوتی ہیں اور ان کی حاجتیں پوری کی جاتی ہیں اور فرشتے ان کے وجود سے مسرور اور خوش رہتے ہیں (غافل) لوگ ان کے نزدیک مردہ ہیں اور خدا اُن کے نزدیک حی و قیوم اور کریم ہے (ان کی ہمت اتنی بلند ہے کہ وہ اس کے سوا کسی کے اوپر نظر نہیں رکھتے)

لوگ تو اپنی عمر میں صرف ایک ہی دفعہ مرتے ہیں لیکن وہ جہاد بالنفس اور ہوا و ہوس کی مخالفت کی وجہ سے ہر روز ستر مرتبہ مرتے ہیں (اور نئی زندگی پاتے ہیں)

جس وقت عبادت کے لئے میرے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو ایک فولادی بند اور بنیان مرصوص کے مانند ہوتے ہیں اور ان کے دل میں مخلوقات کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے کہ میں انہیں ایک پاکیزہ زندگی بخشوں گا اور عمر کے اختتام پر میں خود ان کی روح کو قبض کروں گا اور ان کی پرواز کے لئے آسمان کے دروازوں کو کھول دوں گا تمام حجابوں کو ان کے سامنے سے ہٹادوں گا اور حکم دوں گا کہ بہشت خود اپنے کو ان کے لئے آراستہ کرے''اے احمد عبادت کے دس حصہ ہیں جن میں سے نو حصے طلب رزق حلال میں ہیں جب تیرا کھانا اور پینا حلال ہوگا تو تیری حفظ و حمایت میں ہوگا''۔

بہترین اور جاویدانی زندگی

ایک اور حصہ میں آیا ہے: ''اے احمد کیا تو جانتا ہے کہ کونسی زندگی زیادہ گوارا اور زیادہ دوام رکھتی ہے''؟

عرض کیا: خداوندا: نہیں۔

فرمایا: ''گوارا زندگی وہ ہوتی ہے جس کا صاحب ایک لمحہ کے لئے بھی میری یاد سے غافل نہ رہے، میری نعمت کو فراموش نہ کرے، میرے حق سے بے خبر نہ رہے اور رات دن میری رضا کو طلب کرے۔

لیکن باقی رہنے والی زندگی وہ ہے جس میں اپنی نجات کے لئے عمل کرے، دنیا اس کی نظر میں حقیر ہو اور آخرت بڑی اور بزرگ ہو، میری رضا کو اپنی رضا پر مقدم کرے، اور ہمیشہ میری خوشنودی کو طلب کرے، میرے حق کو بڑا سمجھے اور اپنی نسبت میری آگاہی کی طرف توجہ رکھے۔

ہر گناہ اور معصیت پر مجھے یاد کرلیا کرے، اور اپنے دل کو اس چیز سے جو مجھے پسند نہیں ہے پاک رکھے، شیطانی وسوسوں کو مبغوض رکھے، اور ابلیس کو اپنے دل پر مسلط نہ کرے۔

جب وہ ایسا کرے گا تو میں ایک خاص قسم کی محبت کو اس کے دل میں ڈال دوں گا اس طرح سے کہ اس کا دل میرے اختیار میں ہوگا، اس کی فرصت اور مشغولیت اس کا ہم وغم اور اس کی بات ان نعمتوں کے بارے میں ہوگی جو میں اہل محبت کو بخشتا ہوں۔ میں اس کی آنکھ اور دل کے کان کھول دیتا ہوں تا کہ وہ اپنے دل کے کان سے غیب کے حقائق کو سنے اور اپنے دل سے میرے جلال وعظمت کو دیکھے''۔

اور آخر میں یہ نورانی حدیث ان بیدار کرنے والے جملوں پر ختم ہوجاتی ہے: ''اے احمد اگر کوئی بندہ تمام اہل آسمان اور تمام اہل زمین کے برابر نماز ادا کرے، اور تمام اہل آسمان وزمین کے برابر روزہ رکھے، فرشتوں کی طرح کھانا نہ کھائے اور کوئی فاخرہ لباس بدن پر نہ پہنے (اور انتہائی زہد اور پارسائی کی زندگی بسر کرے) لیکن اس کے دل میں ذرہ برابر بھی دنیا پرستی یا ریاست طلبی یا زینت دنیا کا عشق ہو تو وہ میرے جاودانی گھر میں میرے جوار میں نہیں ہوگا اور میں اپنی محبت کو اس کے دل سے نکال دوں گا، میرا سلام ورحمت تجھ پر ہو، والحمدللہ رب العالمین''۔

یہ عرشی باتیں۔۔۔ جو انسانی روح کو آسمانوں کی طرف بلند کرتی ہیں، اور آستانۂ عشق وشہود کی طرف کھینچتی ہیں۔ حدیث قدسی کا صرف ایک حصہ ہے۔

مزید براں ہمیں اطمینان ہے کہ پیغمبر نے اپنے ارشادات میں جو کچھ بیان فرمایا ہے ان کے علاوہ بھی، اس شب عشق وشوق اور جذبہ ووصال کی شب میں، ایسی باتیں، اسرار ورموز اور اشارے آپ کے اور آپ کے محبوب کے درمیان ہوتے ہیں جن کو نہ تو کان سننے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ عام افکار میں ان کے درک کی صلاحیت ہے، اور اسی بنا پر وہ ہمیشہ پیغمبر کے دل وجان کے اندر ہی مکتوم اور پوشیدہ رہے، اور آپ کے خواص کے علاوہ کوئی بھی ان سے آگاہ نہیں ہوا۔

ہجرت پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [1]

مختلف قبائل قریش اور اشراف مکہ کا ایک گروہ جمع ہوا تا کہ وہ ''دار الندوہ'' میں میٹنگ کریں اور انہیں رسول اللہ کی طرف

---

[1] سورہ انفال آیت 30 کے ذیل میں واقعہ ہجرت بیان ہوا ہے۔

سے درپیش خطرے پر غور وفکر کریں۔

(کہتے ہیں) اثنائے راہ میں انہیں ایک خوش ظاہر بوڑھا شخص ملا جو دراصل شیطان تھا (یا کوئی انسان جو شیطانی روح وفکر کا حامل تھا)۔

انہوں نے اس سے پوچھا: تم کون ہو؟

کہنے لگا: اہل نجد کا ایک بڑا بوڑھا ہوں، مجھے تمہارے ارادے کی اطلاع ملی تو میں نے چاہا کہ تمہاری میٹنگ میں شرکت کروں اور اپنا نظریہ اور خیر خواہی کی رائے پیش کرنے میں دریغ نہ کروں۔

کہنے لگے: بہت اچھا اندر آجایئے۔

اس طرح وہ بھی ''دارالندوۃ'' میں داخل ہوگیا۔

حاضرین میں سے ایک نے ان کی طرف رخ کیا اور (پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کہا: اس شخص کے بارے میں کوئی سوچ بچار کرو، کیونکہ بخدا ڈر ہے کہ وہ تم پر کامیاب ہوجائے (اور تمہارے دین اور تمہاری عظمت کو خاک میں ملادے گا)

ایک نے تجویز پیش کی: اسے قید کردو یہاں تک کے زندان ہی میں مرجائے۔

بوڑھے نجدی نے اس تجویز پر اعتراض کیا اور کہا: اس میں خطرہ یہ ہے کہ اس کے طرفدار ٹوٹ پڑیں گے اور کسی مناسب وقت اسے قید خانے سے چھڑا کر اس سرزمین سے باہر لے جائیں لہٰذا کوئی اور بنیادی بات کرو۔

ایک اور شخص نے کہا: اسے اپنے شہر سے نکال دو تاکہ تمہیں اس سے چھٹکارا مل جائے کیونکہ جب وہ تمہارے درمیان سے چلا جائے گا تو پھر جو کچھ بھی کرتا پھرے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور پھر وہ دوسروں ہی سے سروکار رکھے گا۔

اس بوڑھے نجدی نے کہا: واللہ یہ نظریہ بھی صحیح نہیں ہے، کیا تم اس کی شیریں بیانی، قدرت زبان اور لوگوں کے دلوں میں اس کے نفوذ نہیں دیکھتے؟ اگر ایسا کروگے تو وہ تمام دنیائے عرب کے پاس جائے گا اور وہ اس کے گرد جمع ہوجائیں گے اور پھر وہ ایک انبوہ کثیر کے ساتھ تمہاری طرف پلٹے گا اور تمہیں تمہارے شہروں سے نکال باہر کرے گا اور بڑوں کو قتل کردے گا۔

مجمع نے کہا بخدا یہ سچ کہہ رہا ہے کوئی اور تجویز سوچو۔

ابوجہل کی رائے

ابوجہل ابھی تک خاموش بیٹھا تھا، اس نے گفتگو شروع کی اور کہا: میرا ایک نظریہ ہے اور اس کے علاوہ میں کسی رائے کو صحیح نہیں سمجھتا۔

حاضرین کہنے لگے: وہ کیا ہے؟

کہنے لگا: ہم ہر قبیلے سے ایک بہادر شمشیر زن کا انتخاب کریں اور ان میں سے ہر ایک ہاتھ میں ایک تیز تلوار دے دیں اور پھر وہ سب مل کر موقع پاتے ہی اس پر حملہ کریں جب وہ اس صورت میں قتل ہوگا تو اس کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا اور میں نہیں سمجھتا کہ بنی ہاشم تمام قبائل قریش سے لڑسکیں گے لہٰذا مجبوراً اس صورت میں خون بہا پر راضی ہوجائیں گے اور یوں ہم بھی اس کے آزار سے نجات پالیں گے۔

بوڑھے نجدی نے (خوش ہوکر) کہا: بخدا: صحیح رائے یہی ہے جو اس جواں مرد نے پیش کی ہے میرا بھی اس کے علاوہ کوئی

نظریہ نہیں۔

اس طرح یہ تجویز اتفاق رائے سے پاس ہوگئی اور وہ یہی مصمم ارادہ لے کر وہاں سے اٹھے۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنی جان بیچ ڈالی

جبرائیل نازل ہوئے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ملا کہ وہ رات کو اپنے بستر پر نہ سوئیں، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو غار ثور کی طرف روانہ ہوگئے اور حکم دے گئے کہ علی آپ کے بستر پر سو جائیں (تاکہ جو لوگ دروازے کی دراز سے بستر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نظر رکھے ہوئے ہیں انہیں بستر پر سویا ہوا سمجھیں اور آپ کو خطرے کے علاقہ سے دور نکل جانے کی مہلت مل جائے)۔

اہل سنت کے مشہور مفسر ثعلبی کہتے ہیں کہ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا تو اپنے قرضوں کی ادائیگی اور موجود امانتوں کی واپسی کے لئے حضرت علی علیہ السلام کو اپنی جگہ مقرر کیا اور جس رات آپ غار ثور کی طرف جانا چاہتے تھے اس رات مشرکین آپ پر حملہ کرنے کے لئے آپ کے گھر کا چاروں طرف سے محاصرہ کئے ہوئے تھے، آپ نے حضرت علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ آپ کے بستر پر لیٹ جائیں، اپنی مخصوص سبز رنگ کی چادر انہیں اوڑھنے کو دی، اس وقت خداوند عالم نے جبرائیل اور میکائیل پر وحی کی کہ میں نے تم دونوں کے درمیان بھائی چارہ اور اخوت قائم کی ہے اور تم میں سے ایک کی عمر کو زیادہ مقرر کیا ہے تم میں سے کون ہے جو ایثار کرتے ہوئے دوسرے کی زندگی کو اپنی حیات پر ترجیح دے ان میں سے کوئی بھی اس کے لئے تیار نہ ہوا تو ان پر وحی ہوئی کہ اس وقت علی میرے پیغمبر کے بستر پر سویا ہوا ہے اور وہ تیار ہے کہ اپنی جان ان پر قربان کردے، زمین پر جاؤ اور اس کے محافظ و نگہبان بن جاؤ، جب جبرائیل، حضرت علی علیہ السلام کے سرہانے آئے اور میکائیل پاؤں کی طرف بیٹھے تو جبرائیل کہہ رہے تھے: سبحان اللہ، صد آفرین آپ پر اے علی علیہ السلام کہ خدا آپ کے ذریعے فرشتوں پر فخر و مباہات کر رہا ہے، اس موقع پر آیت نازل ہوئی ''کچھ لوگ اپنی جان خدا کی خوشنودی کے بدلے بیچ دیتے ہیں اور خدا اپنے بندوں پر مہربان ہے'' اور اسی بناء پر وہ تاریخی رات ''لیلۃ المبیت'' (شب ہجرت) کے نام سے مشہور ہوگئی۔

ابن عباس کہتے ہیں: جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکین سے چھپ کر ابوبکر کے ساتھ غار کی طرف جا رہے تھے یہ آیت علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی جو اس وقت بستر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سوئے ہوئے تھے۔

ابوجعفر اسکافی کہتے ہیں: جیسے ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ، جلد 3 ص 270 پر لکھا ہے:

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر حضرت علی علیہ السلام کے سونے کا واقعہ تواتر سے ثابت ہے اور اس کا انکار غیر مسلموں اور کم ذہن لوگوں کے علاوہ کوئی نہیں کرتا۔[1]

جب صبح ہوئی تو مشرکین گھر میں گھس آئے۔ انہوں نے جستجو کی تو حضرت علی علیہ السلام کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ پر دیکھا۔ اس طرح سے خدا نے ان کی سازش کو نقش بر آب کردیا۔

وہ پکارے: محمد کہاں ہے؟

آپ نے جواب دیا: میں نہیں جانتا۔

وہ آپ کے پاؤں کے نشانوں پر چل پڑے یہاں تک کہ غار کے پاس پہنچ گئے لیکن (انہوں نے تعجب سے دیکھا کہ مکڑی

---

[1] الغدیر، جلد 2 ص 45 پر ہے کہ غزالی نے احیاء العلوم ج 3 ص 238 پر، صفوری نے نزہتہ المجالس ج 2، ص 209 پر، ابن صباغ مالکی نے فصول المہمہ، میں سبط ابن جوزی نے تذکرہ الخواص ص 21 پر، امام احمد نے مسند ج اص 348 پر، تاریخ طبری جلد 2 ص 99 پر، سیرۃ ابن ہشام ج 2، ص 291 پر، سیرۃ حلبی ج 1 ص 29 پر، تاریخی یعقوبی ج 2 ص 29 پر لیلۃ المبیت کے واقعہ کو نقل کیا ہے۔

نے غار کے سامنے جالاتن رکھا ہے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اگر وہ اس غار میں ہوتے تو غار کے دہانے پر مکڑی کا جالا نہ ہوتا، اس طرح وہ واپس چلے گئے)

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین دن تک غار کے اندر رہے (اور جب دشمن مکہ کے تمام بیابانوں میں آپ کو تلاش کر چکے اور تھک ہار کر مایوس پلٹ گئے تو آپ مدینہ کی طرف چل پڑے)۔

قبلہ کی تبدیلی

بعثت کے بعد تیرہ سال تک مکہ میں اور چند ماہ تک مدینہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم خدا سے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے لیکن اس کے بعد قبلہ بدل گیا اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ مکہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں۔

مدینہ میں کتنے ماہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاتی رہی؟ اس سلسلے میں مفسرین میں اختلاف ہے، یہ مدت سات ماہ سے لے کر سترہ ماہ تک بیان کی گئی ہے لیکن یہ جتنا عرصہ بھی تھا اس دوران یہودی مسلمانوں کو طعنہ زنی کرتے رہے کیونکہ بیت المقدس دراصل یہودیوں کا قبلہ تھا وہ مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ان کا اپنا کوئی قبلہ نہیں بلکہ ہمارے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ہم حق پر ہیں۔

یہ باتیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے لئے ناگوار تھیں ایک طرف وہ فرمان الٰہی کے مطیع تھے اور دوسری طرف یہودیوں کے طعنے ختم نہ ہوتے تھے، اسی لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمان کی طرف دیکھتے تھے گویا وحی الٰہی کے منتظر تھے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خانہ کعبہ سے خاص لگاؤ

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خصوصیت سے چاہتے تھے کہ قبلہ، کعبہ کی طرف تبدیل ہو جائے اور آپ انتظار میں رہتے تھے کہ خدا کی طرف سے اس سلسلہ میں کوئی حکم نازل ہو، اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے آثار سے عشق تھا، علاوہ از ایں کعبہ توحید کا قدیم ترین مرکز تھا، آپؐ جانتے تھے کہ بیت المقدس توقتی قبلہ ہے لیکن آپ کی خواہش تھی کہ حقیقی و آخری قبلہ جلد معین ہو جائے۔

آپ چونکہ حکم خدا کے سامنے سر تسلیم خم تھے، پس آپ یہ تقاضا زبان تک نہ لاتے صرف منتظر نگاہیں آسمان کی طرف لگائے ہوئے تھے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو کعبہ سے کس قدر عشق اور لگاؤ تھا۔

اس انتظار میں ایک عرصہ گذر گیا یہاں تک کہ قبلہ کی تبدیلی کا حکم صادر ہوا ایک روز مسجد "بنی سالم" میں پیغمبر نماز ظہر پڑھا رہے تھے دو رکعتیں پڑھ چکے تھے کہ جبرائیل کو حکم ہوا کہ پیغمبر کا بازو تھام کر ان کا رخ انور کعبہ کی طرف پھیر دیں۔

مسلمانوں نے بھی فوراً اپنی صفوں کا رخ بدل لیا، یہاں تک کہ ایک روایت میں منقول ہے کہ عورتوں نے اپنی جگہ مردوں کو دی اور مردوں نے اپنی جگہ عورتوں کو دیدی، (توجہ رہے کہ بیت المقدس شمالی سمت میں تھا، اور خانہ کعبہ جنوبی سمت میں تھا۔)

اس واقعے سے یہودی بہت پریشان ہوئے اور اپنے پرانے طریقہ کے مطابق، ڈھٹائی، بہانہ سازی اور طعنہ بازی کا مظاہرہ کرنے لگے پہلے تو کہتے تھے کہ ہم مسلمانوں سے بہتر ہیں کیونکہ ان کا کوئی اپنا قبلہ نہیں، یہ ہمارے پیروکار ہیں لیکن جب خدا کی طرف سے قبلہ کی تبدیلی کا حکم نازل ہوا تو انہوں نے پھر زبان اعتراض دراز کی چنانچہ قرآن کہتا ہے۔

''بہت جلد کم عقل لوک کہیں گے ان (مسلمانوں) کو کس چیز نے اس قبلہ سے پھیر دیا جس پر وہ پہلے تھے''۔[1]

مسلمانوں نے اس سے کیوں اعراض کیا ہے جو گذشتہ زمانہ میں انبیائے ماسلف کا قبلہ رہا ہے، اگر پہلا قبلہ صحیح تھا تو اس تبدیلی کا کیا مقصد، اور اگر دوسرا صحیح ہے تو پھر تیرہ سال اور پندرہ ماہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے کیوں نماز پڑھتے رہے ہیں۔؟

چنانچہ خداوند عالم نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا:

''ان سے کہہ دو عالم کے مشرق و مغرب اللہ کے لئے ہیں وہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے''۔[2]

تبدیلی قبلہ کا راز

بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف قبلہ کی تبدیلی ان سب کے لئے اعتراض کا موجب بنی جن کا گمان تھا کہ ہر حکم کو مستقل رہنا چاہئے تھا اگر ہمارے لئے ضروری تھا کہ کعبہ کی طرف نماز پڑھیں تو پہلے دن یہ حکم کیوں نہ دیا گیا اور اگر بیت المقدس مقدم ہے جو گذشتہ انبیاء کا بھی قبلہ شمار ہوتا ہے تو پھر اسے کیوں بدلا گیا۔؟

دشمنوں کے ہاتھ بھی طعنہ زنی کا موقع آ گیا، شاید وہ کہتے تھے کہ پہلے تو انبیاء ماسبق کے قبلہ کی طرف نماز پڑھتا تھا لیکن کامیابیوں کے بعد اس پر قبیلہ پرستی نے غلبہ کر لیا ہے لہٰذا اپنی قوم اور قبیلے کے قبلہ کی طرف پلٹ گیا ہے یا کہتے تھے کہ اس نے دھوکا دینے اور یہود و نصاریٰ کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے کے لئے پہلے بیت المقدس کو قبول کر لیا اور جب یہ بات کارگر نہ ہو سکی تو اب کعبہ کی طرف رخ کر لیا ہے۔

واضح ہے کہ ایسے وسوسے اور وہ بھی ایسے معاشرے میں جہاں ابھی نور علم نہ پھیلا ہو اور جہاں شرک و بت پرستی کی رسمیں موجود ہوں کیسا تذبذب و اضطراب پیدا کر دیتے ہیں اسی لئے قرآن صراحت سے کہتا ہے کہ ''یہ مومنین اور مشرکین میں امتیاز پیدا کرنے والی ایک عظیم آزمائش تھی''۔[3]

ممکن ہے کہ قبلہ کی تبدیلی کے اہم اسباب میں سے درج ذیل مسئلہ بھی ہو خانہ کعبہ اس وقت مشرکین کے بتوں کا مرکز بنا ہوا تھا لہٰذا حکم دیا گیا کہ مسلمان وقتی طور پر بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لیا کریں تا کہ اس طرح مشرکین سے اپنی صفیں الگ کر سکیں۔

لیکن جب مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد اسلامی حکومت و ملت کی تشکیل ہو گئی اور مسلمانوں کی صفیں دوسروں سے مکمل طور پر ممتاز ہو گئیں تو اب یہ کیفیت برقرار رکھنا ضروری نہ رہا، لہٰذا اس وقت کعبہ کی طرف رخ کر لیا گیا جو قدیم ترین مرکز توحید اور انبیاء کا بہت پرانا مرکز تھا۔

ایسے میں ظاہر ہے کہ جو کعبہ کو اپنا خاندانی معنوی اور روحانی سرمایہ سمجھتے تھے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا ان کے لئے مشکل تھا اور اسی طرح بیت المقدس کے بعد کعبہ کی طرف پلٹنا، لہٰذا اس میں مسلمانوں کی سخت آزمائش تھی تا کہ شرک کے جتنے آثار ان میں باقی رہ گئے تھے اس کٹھالی میں پڑ کر جل جائیں اور ان کے گذشتہ شرک آلود رشتے ناتے ٹوٹ جائیں۔

جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں اصولی طور پر تو خدا کے لئے مکان نہیں ہے قبلہ تو صرف وحدت اور صفوں میں اتحاد کا ایک

---

[1] سورہ بقرہ آیت 142

[2] سورہ بقرہ آیت 142

[3] سورہ بقرہ آیت 143

رمز ہے اور اس کی تبدیلی کسی چیز کو دگرگوں نہیں کر سکتی، اہم ترین امر تو خدا کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے اور تعصب اور ہٹ دھرمی کے بتوں کو توڑنا ہے۔

جنگ بدر [1]

جنگ بدر کی ابتداء یہاں سے ہوئی کہ مکہ والوں کا ایک اہم تجارتی قافلہ شام سے مکہ کی طرف واپس جا رہا تھا اس قافلے کو مدینہ کی طرف سے گزرنا تھا اہل مکہ کا سردار ابوسفیان قافلہ کا سالار تھا اس کے پاس ہزار دینار کا مال تجارت تھا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو اس عظیم قافلے کی طرف تیزی سے کوچ کا حکم دیا کہ جس کے پاس دشمن کا ایک بڑا سرمایہ تھا تا کہ اس سرمائے کو ضبط کر کے دشمن کی اقتصادی قوت کو سخت ضرب لگائی جائے تا کہ اس کا نقصان دشمن کی فوج کو پہنچے۔

پیغمبر اور ان کے اصحاب ایسا کرنے کا حق رکھتے تھے کیونکہ مسلمان مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آئے تو اہل مکہ نے ان کے بہت سے اموال پر قبضہ کر لیا تھا جس سے مسلمانوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا لہٰذا وہ حق رکھتے تھے کہ اس نقصان کی تلافی کریں۔اس سے قطع نظر بھی اہل مکہ نے گذشتہ تیرہ برس میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں سے جو سلوک روا رکھا اس سے بات ثابت ہو چکی تھی وہ مسلمانوں کو ضرب لگانے اور نقصان پہنچانے کے لئے کوئی موقع ہاتھ سے نہیں گنوائیں گے یہاں تک کہ وہ خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے پر تل گئے تھے ایسا دشمن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہجرت مدینہ کی وجہ سے بے کار نہیں بیٹھ سکتا تھا واضح تھا کہ وہ قاطع ترین ضرب لگانے کے لئے اپنی قوت مجتمع کرتا پس عقل و منطق کا تقاضا تھا کہ پیش بندی کے طور پر ان کے تجارتی قافلے کو گھیر کر اس کے اتنے بڑے سرمائے کو ضبط کر لیا جاتا تا کہ اس پر ضرب پڑے اور اپنی فوجی اور اقتصادی بنیاد مضبوط کی جاتی ایسے اقدامات آج بھی اور گذشتہ ادوار میں بھی عام دنیا میں فوجی طریقۂ کار کا حصہ رہے ہیں، جو لوگ ان پہلوؤں کو نظر انداز کر کے قافلے کی طرف پیغمبر کی پیش قدمی کو ایک طرح کی غارت گری کے طور پر پیش کرنا چاہتے ہیں یا تو وہ حالات سے آگاہ نہیں اور اسلام کے تاریخی مسائل کی بنیادوں سے بے خبر ہیں اور یا ان کے کچھ مخصوص مقاصد ہیں جن کے تحت وہ واقعات و حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں بہر حال ایک طرف ابوسفیان کو مدینہ میں اس کے ذریعے اس امر کی اطلاع مل گئی اور دوسری طرف اس نے اہل مکہ کو صورت حال کی اطلاع کے لئے ایک تیز رفتار قاصد روانہ کر دیا کیونکہ شام کی طرف جاتے ہوئے بھی اسے اس تجارتی قافلہ کی راہ میں رکاوٹ کا اندیشہ تھا۔

قاصد، ابوسفیان کی نصیحت کے مطابق اس حالت میں مکہ میں داخل ہوا کہ اس نے اپنے اونٹ کی ناک کو چیر دیا تھا اس کے کان کاٹ دیئے تھے، خون ہیجان انگیز طریقہ سے اونٹ سے بہہ رہا تھا، قاصد نے اپنی قمیص کو دونوں طرف سے پھاڑ دیا تھا اونٹ کی پشت کی طرف منہ کر کے بیٹھا ہوا تھا تا کہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر سکے، مکہ میں داخل ہوتے ہی اس نے چیخنا چلانا شروع کر دیا:

اے کامیاب و کامران لوگو اپنے قافلے کی خبر لو، اپنے کارواں کی مدد کرو۔لیکن مجھے امید نہیں کہ تم وقت پر پہنچ سکو، محمد اور تمہارے دین سے نکل جانے والے افراد قافلے پر حملے کے لئے نکل چکے ہیں۔

اس موقع پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی عاتکہ بنت عبد المطلب کا ایک عجیب و غریب خواب تھا مکہ میں زبان زد خاص و عام تھا اور لوگوں کے ہیجان میں اضافہ کر رہا تھا۔خواب کا ماجرا یہ تھا کہ عاتکہ نے تین روز قبل خواب میں دیکھا کہ:

ایک شخص پکار رہا ہے کہ لوگو اپنی قتل گاہ کی طرف جلدی چلو، اس کے بعد وہ منادی کوہ ابوقبیس کی چوٹی پر چڑھ گیا اس نے پتھر

---

[1] واقعہ جنگ بدر سورہ انفال آیات 5 تا 18 کے ذیل میں بیان ہوئی ہے۔

کی ایک بڑی چٹان کو حرکت دی تو وہ چٹان ریزہ ریزہ ہوگئی اور اس کا ایک ایک ٹکڑا قریش کے ایک ایک گھر میں جا پڑا اور مکہ کے درے سے خون کا سیلاب جاری ہوگیا۔

عاتکہ وحشت زدہ ہو کر خواب سے بیدار ہوئی اور اپنے بھائی عباس کو سنایا۔اس طرح خواب لوگوں تک پہنچا تو وہ وحشت و پریشانی میں ڈوب گئے۔ابو جہل نے خواب سنا تو بولا: یہ عورت دوسرا پیغمبر ہے جو اولا د عبدالمطلب میں ظاہر ہوا ہے لات وعزی کی قسم ہم تین دن کی مہلت دیتے ہیں اگر اتنے عرصے میں اس خواب کی تعبیر ظاہر نہ ہوئی تو ہم آپس میں ایک تحریر لکھ کر اس پر دستخط کریں گے کہ بنی ہاشم قبائل عرب میں سے سب سے زیادہ جھوٹے ہیں تیسرا دن ہوا تو ابوسفیان کا قاصد آ پہنچا، اس کی پکار نے تمام اہل مکہ کو ہلا کر رکھ دیا۔

اور چونکہ تمام اہل مکہ کا اس قافلے میں حصہ تھا سب فوراً جمع ہو گئے ابو جہل کی کمان میں ایک لشکر تیار ہوا، اس میں 950 جنگجو تھے جن میں سے بعض انکے بڑے اور مشہور سردار اور بہادر تھے 700 اونٹ تھے اور 100 گھوڑے تھے لشکر مدینہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

دوسری طرف چونکہ ابوسفیان مسلمانوں سے بچ کر نکلنا چاہتا تھا، لہٰذا اس نے راستہ بدل دیا اور مکہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

313 وفادار ساتھی

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 313 افراد کے ساتھ جن میں تقریباً تمام مجاہدین اسلام تھے سرزمین بدر کے پاس پہنچ گئے تھے یہ مقام مکہ اور مدینہ کے راستے میں ہے یہاں آپ کو قریش کے لشکر کی روانگی کی خبر ملی اس وقت آپ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ کیا ابوسفیان کے قافلہ کا تعاقب کیا جائے اور قافلہ کے مال پر قبضہ کیا جائے یا لشکر کے مقابلے کے لئے تیار ہوا جائے؟ ایک گروہ نے دشمن کے لشکر کا مقابلہ کرنے کو ترجیح دی جب کہ دوسرے گروہ نے اس تجویز کو ناپسند کیا اور قافلہ کے تعاقب کو ترجیح دی، ان کی دلیل یہ تھی کہ ہم مدینہ سے مکہ کی فوج کا مقابلہ کرنے کے ارادہ سے نہیں نکلے تھے اور ہم نے اس لشکر کے مقابلے کے لئے جنگی تیاری نہیں کی تھی جب کہ وہ ہماری طرف پوری تیاری سے آرہا ہے۔

اس اختلاف رائے اور تردد میں اس وقت اضافہ ہو گیا جب انہیں معلوم تھا کہ دشمن کی تعداد مسلمانوں سے تقریبا تین گنا ہے اور ان کا ساز وسامان بھی مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ ہے، ان تمام باتوں کے باوجود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے گروہ کے نظریے کو پسند فرمایا اور حکم دیا کہ دشمن کی فوج پر حملہ کی تیاری کی جائے۔

جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو دشمن کو یقین نہ آیا کہ مسلمان اس قدر کم تعداد اور ساز وسامان کے ساتھ میدان میں آئے ہوں گے، ان کا خیال تھا کہ سپاہ اسلام کا اہم حصہ کسی مقام پر چھپا ہوا ہے تاکہ وہ غفلت میں کسی وقت ان پر حملہ کر دے لہٰذا انہوں نے ایک شخص کو تحقیقات کے لئے بھیجا، انہیں جلدی معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں کی جمعیت یہی ہے جسے وہ دیکھ رہے ہیں۔

دوسری طرف جیسا کہ ہم نے کہا ہے مسلمانوں کا ایک گروہ وحشت وخوف میں غرق تھا اس کا اصرار تھا کہ اتنی بڑی فوج جس سے مسلمانوں کا کوئی موازنہ نہیں، خلاف مصلحت ہے، لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کے وعدہ سے انہیں جوش دلایا اور انہیں جنگ پر اُبھارا، آپ نے فرمایا: کہ خدا نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ دو گروہوں میں سے ایک پر تمہیں کامیابی حاصل ہوگی قریش کے قافلہ پر یا لشکر قریش پر اور خدا کے وعدہ کے خلاف نہیں ہوسکتا۔

خدا کی قسم ابوجہل اور کئی سرداران قریش کے لوگوں کی قتل گاہ کو گویا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔
اس کے بعد آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ بدر کے کنوئیں کے قریب پڑاؤ ڈالیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے سے خواب میں اس جنگ کا منظر دیکھا تھا، آپ نے دیکھا کہ دشمن کی ایک قلیل سی تعداد مسلمانوں کے مقابلہ میں آئی ہے، یہ دراصل کامیابی کی ایک بشارت تھی آپ نے بعینہ یہ خواب مسلمانوں کے سامنے بیان کر دیا، یہ بات مسلمانوں کے میدان بدر کی طرف پیش روی کے لئے ان کے جذبہ اور عزم کی تقویت کا باعث بنی۔
البتہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خواب صحیح دیکھا تھا کیونکہ دشمن کی قوت اور تعداد اگرچہ ظاہراً بہت زیادہ تھی لیکن باطناً کم، ضعیف اور ناتواں تھی، ہم جانتے ہیں کہ خواب عام طور پر اشارے اور تعبیر کا پہلو رکھتے ہیں، اور ایک صحیح خواب میں کسی مسئلے کا باطنی چہرہ آشکار ہوتا ہے۔

قریش کا ایک ہزار کا لشکر

اس ہنگامے میں ابوسفیان اپنا قافلہ خطرے کے علاقے سے نکال لے گیا۔ اصل راستے سے ہٹ کر دریائے احمر کے ساحل کی طرف سے وہ تیزی سے مکہ پہنچ گیا۔ اس کے ایک قاصد کے ذریعے لشکر کو پیغام بھیجا: خدا نے تمہارا قافلہ بچالیا ہے میرا خیال ہے کہ ان حالات میں محمد کا مقابلہ کرنا ضروری نہیں کیونکہ اس کے اتنے دشمن ہیں جو اس کا حساب چکا لیں گے۔
لشکر کے کمانڈر ابوجہل نے اس تجویز کو قبول نہ کیا، اس نے اپنے بتوں لات اور عزی کی قسم کھائی کہ نہ صرف ان کا مقابلہ کریں گے بلکہ مدینہ کے اندر تک ان کا تعاقب کریں گے یا انہیں قید کر لیں گے اور مکہ میں لے آئیں گے تا کہ اس کامیابی کا شہرہ تمام قبائل عرب کے کانوں تک پہنچ جائے۔ آخر کار لشکر قریش بھی مقام بدر تک آپہنچا، انہوں نے اپنے غلام کو پانی لانے کے لئے کنوئیں کی طرف بھیجے، اصحاب پیغمبر نے انہیں پکڑ لیا اور ان سے حالات معلوم کرنے کے لئے انہیں خدمت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لے آئے حضرت نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: ہم قریش کے غلام ہیں، فرمایا: لشکر کی تعداد کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہمیں اس کا پتہ نہیں، فرمایا: ہر روز کتنے اونٹ کھانے کے لئے نحر کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا: نو سے دس تک، فرمایا: ان کی تعداد 9 سو سے لے کر ایک ہزار تک ہے (ایک اونٹ ایک سو فوجی جوانوں کی خوراک ہے)۔
ماحول پُرہیبت اور وحشت ناک تھا لشکر قریش کے پاس فراواں جنگی ساز و سامان تھا۔ یہاں تک کہ حوصلہ بڑھانے کے لئے وہ گانے بجانے والی عورتوں کو بھی ساتھ لائے تھے۔ اپنے سامنے ایسے حریف کو دیکھ رہے تھے کہ انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ ان حالات میں وہ میدان جنگ میں قدم رکھے گا۔

مسلمانو! فرشتے تمہاری مدد کریں گے

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھ رہے تھے کہ ممکن ہے آپ کے اصحاب خوف و وحشت کی وجہ سے رات میں آرام سے سو نہ سکیں اور پھر کل دن کو تھکے ہوئے جسم اور روح کے ساتھ دشمن کے مقابل ہوں لہٰذا خدا کے وعدے کے مطابق ان سے فرمایا: تمہاری تعداد کم ہو تو اس کا غم نہ کر، آسمانی فرشتوں کی ایک عظیم جماعت تمہاری مدد کے لئے آئے گی، آپ نے انہیں خدائی وعدے کے مطابق اگلے روز فتح کی پوری تسلی دے کر مطمئن کر دیا اور وہ رات آرام سے سو گئے۔
دوسری مشکل جس سے مجاہدین کو پریشانی تھی وہ میدان بدر کی کیفیت تھی، ان کی طرف زمین نرم تھی اور اس میں پاؤں دھنس

جاتے تھے اسی رات یہ ہوا کہ خوب بارش ہوئی، اس کے پانی سے مجاہدین نے وضو کیا، غسل کیا اور تازہ دم ہو گئے ان کے نیچے کی زمین بھی اس سے سخت ہو گئی، تعجب کی بات یہ ہے کہ دشمن کی طرف اتنی زیادہ بارش ہوئی کہ وہ پریشان ہو گئے۔

دشمن کے لشکر گاہ سے مسلمان جاسوسوں کی طرف سے ایک نئی خبر موصول ہوئی اور جلد ہی مسلمانوں میں پھیل گئی، خبر یہ تھی کہ فوج قریش اپنے ان تمام وسائل کے باوجود خوفزدہ ہے گویا وحشت کا ایک لشکر خدا نے ان کے دلوں کی سرزمین پر اتار دیا تھا، اگلے روز چھوٹا سا اسلامی لشکر بڑے ولولے کے ساتھ دشمن کے سامنے صف آراء ہوا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے انہیں صلح کی تجویز پیش کی تا کہ عذر اور بہانہ باقی نہ رہے، آپ نے ایک نمائندے کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ میں نہیں چاہتا کہ تم وہ پہلا گروہ بن جاؤ کہ جس پر ہم حملہ آور ہوں، بعض سرداران قریش چاہتے تھے یہ صلح کا ہاتھ جو ان کی طرف بڑھایا گیا ہے اسے تھام لیں اور صلح کر لیں، لیکن پھر ابوجہل مانع ہوا۔

ستر قتل ستر اسیر

آخرکار جنگ شروع ہوئی، اس زمانے کے طریقے کے مطابق پہلے ایک کے مقابلے میں ایک نکلا، ادھر لشکر اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حمزہ اور حضرت علی علیہ السلام جو جوان ترین افراد تھے میدان میں نکلے، مجاہدین اسلام میں سے چند اور بہادر بھی اس جنگ میں شریک ہوئے، ان جوانوں نے اپنے حریفوں کے پیکر پر سخت ضربیں لگائیں اور کاری وار کئے اور ان کے قدم اکھاڑ دیئے، دشمن کا جذبہ اور کمزور پڑ گیا، یہ دیکھا تو ابوجہل نے عمومی حملے کا حکم دے دیا۔

ابوجہل پہلے ہی حکم دے چکا تھا کہ اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے جو اہل مدینہ میں سے ہیں انہیں قتل کر دو، مہاجرین مکہ کو اسیر کر لو مقصد یہ تھا کہ ایک طرح کے پروپیگنڈا کے لئے انہیں مکہ لے جائیں۔

یہ لمحات بڑے حساس تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ جمعیت کی کثرت پر نظر نہ کریں اور صرف اپنے مد مقابل پر نگاہ رکھیں دانتوں کو ایک دوسرے پر رکھ کر پیسیں، باتیں کم کریں، خدا سے مدد طلب کریں، حکم پیغمبر سے کہیں رتی بھر سرتابی نہ کریں اور مکمل کامیابی کی امید رکھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دست دعا آسمان کی طرف بلند کئے اور عرض کیا: ''پالنے والے اگر یہ لوگ قتل ہو گئے تو پھر تیری عبادت کوئی نہیں کرے گا''۔

دشمن کے لشکر کی سمت میں سخت ہوا چل رہی تھی اور مسلمان ہوا کی طرف پشت کر کے ان پر حملے کر رہے تھے۔ ان کی استقامت، پامردی اور دلاوری نے قریش کا ناطقہ بند کر دیا ابوجہل سمیت دشمن کے ستر آدمی قتل ہو گئے ان کی لاشیں خاک وخون میں غلطاں پڑی تھیں ستر افراد مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہو گئے مسلمانوں کے بہت کم افراد شہید ہوئے۔

اس طرح مسلمانوں کی پہلی مسلح جنگ طاقتور دشمن کے خلاف غیر متوقع کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔

جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی، ان میں 77 مہاجر تھے اور دو سو چھتیس (236) انصار، مہاجرین کا پرچم حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ میں تھا، اور انصار کا پرچم بردار ''سعد بن عبادہ'' تھے، اس عظیم معرکہ کے لئے ان کے پاس صرف 70 اونٹ دو گھوڑے، 6 زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں، دوسری طرف دشمن کی فوج ہزار افراد سے متجاوز تھی، اس کے پاس کافی ووافی اسلحہ تھا اور ایک سو گھوڑے تھے، اس جنگ میں 22 مسلمان شہید ہوئے ان میں چودہ مہاجر اور 8 انصار تھے، دشمن کے ستر (70) افراد مارے گئے اور ستر ہی قیدی ہوئے، اس طرح مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور یوں مکمل کامرانی کے ساتھ وہ مدینہ کی طرف پلٹ گئے۔

واقعاً یہ عجیب وغریب بات تھی کہ تواریخ کے مطابق مسلمانوں کے چھوٹے سے لشکر کے مقابلہ میں قریش کی طاقتور فوج نفسیاتی طور پر اس قدر شکست خوردہ ہو چکی تھی کہ ان میں سے ایک گروہ مسلمانوں سے جنگ کرنے سے ڈرتا تھا، بعض اوقات وہ دل میں سوچتے کہ یہ عام انسان نہیں ہیں، بعض کہتے ہیں کہ یہ موت کو اپنے اونٹوں پر لاد کر مدینہ سے تمہارے لئے سوغات لائے ہیں۔

''سعد بن معاذ انصاری'' نمائندہ کے طور پر خدمت پیغمبر میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: میرے ماں باپ آپ پر قربان اے اللہ کے رسول ہم آپ پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے آپ کی نبوت کی گواہی دی ہے کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں خدا کی طرف سے ہے، آپ جو بھی حکم دینا چاہیں دیجئے اور ہمارے مال میں سے جو کچھ آپ چاہیں لے لیں، خدا کی قسم اگر آپ ہمیں حکم دیں کہ اس دریا (دریائے احمر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، جو وہاں سے قریب تھا) میں کود پڑو تو ہم کود پڑیں گے ہماری یہ آرزو ہے کہ خدا ہمیں توفیق دے کہ ایسی خدمت کریں جو آپ کی آنکھ کی روشنی کا باعث ہو۔

روز بدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: زمین سے مٹی اور سنگریزوں کی ایک مٹھی بھر کے مجھے دے دو۔

حضرت علی علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مشرکین کی طرف پھینک دیا اور فرمایا: ''شاہت الوجوہ'' (تمہارے منہ قبیح اور سیاہ ہو جائیں)

لکھا ہے کہ معجزانہ طور پر گرد وغبار اور سنگریزے دشمن کی آنکھوں میں جا پڑے اور سب وحشت زدہ ہو گئے۔

مجاہدین کی تشویق

ابن عباس سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ بدر کے روز مجاہدین اسلام کی تشویق کے لئے کچھ انعامات مقرر کیے مثلاً فرمایا کہ جو فلاں دشمن کو قید کر کے میرے پاس لائے گا اُسے یہ انعام دوں گا ان میں پہلے ہی روح ایمان و جہاد موجود تھی اوپر سے یہ تشویق بھی، نتیجہ یہ ہوا کہ جوان سپاہی بڑے افتخار سے مقابلہ کے لئے آگے بڑھے اور اپنے مقصد کی طرف لپکے بوڑھے سن رسیدہ افراد جھنڈوں تلے موجود رہے جب جنگ ختم ہوئی تو نوجوان اپنے پر افتخار انعامات کے لئے بارگاہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑھے، بوڑھے ان سے کہنے لگے کہ اس میں ہمارا بھی حصہ ہے کیونکہ ہم تمہارے لئے پناہ اور سہارے کا کام کر رہے تھے اور تمہارے لئے جوش وخروش کا باعث تھے اگر تمہارا معاملہ سخت ہو جاتا ہے تو تمہیں پیچھے ہٹنا پڑتا تو یقیناً تم ہماری طرف آتے اس موقع پر دو انصاریوں میں تو تو میں میں بھی ہو گئی اور انہوں نے جنگی غنائم کے بارے میں بحث کی۔

اس اثناء میں سورہ انفال کی پہلی آیت نازل ہوئی جس میں صراحت کے ساتھ بتایا گیا کہ غنائم کا تعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے وہ جیسے چاہیں انہیں تقسیم فرمائیں، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مساوی طور پر سب سپاہیوں میں غنائم تقسیم کر دیئے اور برادران دینی میں صلح ومصالحت کا حکم دیا۔

جنگ کا خاتمہ اور اسیروں کا واقعہ

جنگ بدر کے خاتمہ پر جب جنگی قیدی بنا لئے گئے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ قیدیوں میں سے دو خطرناک افراد عقبہ اور نضر کو قتل کر دیا جائے تو اس پر انصار گھبرا گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ حکم تمام قیدیوں کے متعلق جاری ہو جائے اور وہ فدیہ لینے سے محروم ہو جائیں) لہٰذا انہوں نے رسول اللہ کی خدمت میں عرض کیا: ہم نے ستر آدمیوں کو قتل کیا ہے اور ستر ہی کو قیدی بنایا ہے اور یہ آپ کے قبیلے میں سے آپ ہی کے قیدی ہیں، یہ ہمیں بخش دیجئے تا کہ ہم ان کی آزادی کے بدلے فدیہ لے سکیں۔

(رسول اللہ اس کے لئے وحی آسمانی کے منتظر تھے) اس موقع پر وحی الٰہی نازل ہوئی اور قیدیوں کی آزادی کے بدلے فدیہ لینے کی اجازت دے دی گئی۔

اسیروں کی آزادی کے لئے زیادہ سے زیادہ چار ہزار درہم اور کم سے کم ایک ہزار درہم معین کی گئی، یہ بات قریش کے کانوں تک پہونچی تو انھوں نے ایک ایک کے بدلے معین شدہ رقم بھیج کر اسیروں کو ازاد کرالیا۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا داماد ابوالعاص بھی ان قیدیوں میں تھا، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی یعنی زینب جو ابولعاص کی بیوی تھی نے وہ گلو بند جو جناب خدیجہ نے ان کی شادی کے وقت انہیں دیا تھا فدیہ کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا، جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ گلو بند پر پڑی تو جناب خدیجہ جیسی فدا کار اور مجاہدہ خاتون کی یادیں ان کی آنکھوں کے سامنے مجسم ہوگئیں، آپؐ نے فرمایا: خدا کی رحمت ہو خدیجہ پر، یہ وہ گلو بند ہے جو اس نے میری بیٹی زینب کو جہیز میں دیا تھا (اور بعض دوسری روایات کے مطابق جناب خدیجہ کے احترام میں آپؐ نے گلو بند قبول کرنے سے احراز کیا اور حقوق مسلمین کو پیش نظر کرتے ہوئے اس میں ان کی موافقت حاصل کی)۔

اس کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوالعاص کو اس شرط پر آزاد کردیا کہ وہ زینب کو (جو اسلام سے پہلے ابوالعاص کی زوجیت میں تھیں) مدینہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیج دے، اس نے بھی اس شرط کو قبول کرلیا اور بعد میں اسے پورا بھی کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس کا اسلام قبول کرنا

انصار کے کچھ آدمیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت چاہی کہ آپ کے چچا عباس جو قیدیوں میں تھے ان سے آپؐ کے احترام میں فدیہ نہ لیا جائے لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''خدا کی قسم اس کے ایک درھم سے بھی صرف نظر نہ کرو'' (اگر فدیہ لینا خدائی قانون ہے تو اسے سب پر جاری ہونا چاہئے، یہاں تک کہ میرے چچا پر بھی اس کے اور دوسروں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عباس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اپنی طرف سے اور اپنے بھتیجے (عقیل بن ابی طالب) کی طرف سے آپ کو فدیہ ادا کرنا چاہئے۔

عباس (جو مال سے بڑا لگاؤ رکھتے تھے) کہنے لگے: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا تم چاہتے ہو کہ مجھے ایسا فقیر اور محتاج کردو کہ میں اہل قریش کے سامنے اپنا ہاتھ پھیلاؤں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس مال میں سے فدیہ ادا کریں جو آپؐ نے اپنی بیوی ام الفضل کے پاس رکھا تھا اور اس سے کہا تھا کہ اگر میں میدان جنگ میں مارا جاؤں تو اس مال کو اپنے اور اپنی اولاد کے مصارف کے لئے سمجھنا۔

عباس یہ بات سن کر بہت متعجب ہوئے اور کہنے لگے: آپ کو یہ بات کس نے بتائی (حالانکہ یہ تو بالکل محرمانہ تھی)؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جبرائیل نے، خدا کی طرف سے۔

عباس بولے: اس کی قسم کہ جس کی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قسم کھاتا ہے کہ میرے اور میری بیوی کے علاوہ اس راز سے کوئی آگاہ نہ تھا۔

اس کے بعد وہ پکار اٹھے: ''اشھد انك رسول الله''

(یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں)

اور یوں وہ مسلمان ہو گئے۔

آزادی کے بعد بدر کے تمام قیدی مکہ لوٹ گئے لیکن عباس، عقیل اور نوفل مدینہ ہی میں رہ گئے کیونکہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

عباس کے اسلام لانے کے بارے میں بعض تواریخ میں ہے کہ اسلام قبول کر لینے کے بعد وہ مکہ کی طرف پلٹ گئے تھے اور خط کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سازش سے باخبر کیا کرتے تھے، پھر سے پہلے فتح مکہ کے سال مدینہ کی طرف ہجرت کر آئے۔

جنگ احد کا پیش خیمہ

جب کفار مکہ جنگ بدر میں شکست خوردہ ہوئے اور ستر (70) قیدی چھوڑ کر مکہ کی طرف پلٹ گئے تو ابوسفیان نے لوگوں کو خبر دار کیا کہ وہ اپنی عورتوں کو مقتولین بدر پر گریہ وزاری نہ کرنے دیں کیونکہ آنسو غم واندوہ کو دور کر دیتے ہیں اور اس طرح محمد کی دشمنی اور عداوت ان کے دلوں سے ختم ہو جائے گی، ابوسفیان نے خود یہ عہد کر رکھا تھا کہ جب تک جنگ بدر کے قاتلوں سے انتقام نہ لے لے اس وقت تک وہ اپنی بیوی سے ہمبستری نہیں کرے گا، بہر حال قریش ہر ممکن طریقہ سے لوگوں کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خلاف اکساتے تھے اور انتقام کی صدا شہر مکہ میں بلند ہو رہی تھی۔[1]

ہجرت کے تیسرے سال قریش ہزار سوار اور دو ہزار پیدل کے ساتھ بہت سامان جنگ لے کر آپ سے جنگ کرنے کے لئے مکہ سے نکلے اور میدان جنگ میں ثابت قدمی سے لڑنے کے لئے اپنے بڑے بڑے بت اور اپنی عورتوں کو بھی ہمراہ لے آئے۔

جناب عباس کی بروقت اطلاع

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چچا حضرت عباس جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے اور قریش کے درمیان ان کے ہم مشرب و ہم مذہب تھے لیکن اپنے بھتیجے سے فطری محبت کی بنا پر جب انھوں نے دیکھا کہ قریش کا ایک طاقتور لشکر پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے مکہ سے نکلا ہے تو فوراً ایک خط لکھا اور قبیلہ بنی غفار کے ایک آدمی کے ہاتھ مدینہ بھیجا، عباس کا قاصد بڑی تیزی سے مدینہ کی طرف روانہ ہوا، جب آپ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے سعد بن اُبَ کو عباس کا پیغام پہنچایا اور حتیٰ الامکان اس واقعہ کو پردہ راز میں رکھنے کی کوشش کی۔

پیغمبر کا مسلمانوں سے مشورہ جس دن عباس کا قاصد آپ کو موصول ہوا آپ نے چند مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مکہ و مدینہ کے راستہ پر جائیں اور لشکر کفار کے کوائف معلوم کریں، آپ کے دو نمائندے ان کے حالات معلوم کر کے بہت جلدی واپس آئے اور قریش کی قوت وطاقت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مطلع کیا اور یہ بھی اطلاع دی کہ طاقتور لشکر خود ابوسفیان کی کمان میں ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے چند روز کے بعد تمام اصحاب اور اہل مدینہ کو بلایا اور ان در پیش حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے میٹنگ کی، اس میں عباس کے خط کو بھی پیش کیا گیا اور اس کے بعد مقام جنگ کے بارے میں رائے لی گئی اس میٹنگ میں ایک گروہ نے رائے دی کہ جنگ دشمن سے مدینہ کی تنگ گلیوں میں کی جائے کیونکہ اس صورت میں کمزور مرد، عورتیں بلکہ کنیزیں بھی مددگار ثابت ہو سکیں گی۔

عبداللہ بن ابی نے تائیداً کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آج تک ایسا نہیں ہوا کہ ہم اپنے قلعوں اور گھروں میں ہوں اور دشمن ہم

---

[1] جنگ احد کا واقعہ سورہ آل عمران آیت 120 کے ذیل میں بیان ہوا ہے۔

پر کامیاب ہو گیا ہو۔

اس رائے کو آپ بھی اس وقت کی مدینہ کی پوزیشن کے مطابق بنظر تحسین دیکھتے تھے کیونکہ آپ بھی مدینہ ہی میں ٹھہرنا چاہتے تھے لیکن نوجوانوں اور جنگجوؤں کا ایک گروہ اس کا مخالف تھا چنانچہ سعد بن معاذ اور قبیلہ اوس کے چند افراد نے کھڑے ہو کر کہا اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گذشتہ زمانے میں عربوں میں سے کسی کو یہ جرأت نہ تھی کہ ہماری طرف نظر کرے جبکہ ہم مشرک اور بت پرست تھے اب جبکہ ہمارے درمیان آپ کی ذات والاصفات موجود ہے کس طرح وہ ہمیں دبا سکتے ہیں اس لئے شہر سے باہر جنگ کرنی چاہئے اگر ہم میں سے کوئی مارا گیا تو وہ جام شہادت نوش کرے گا اور اگر کوئی بچ گیا تو اسے جہاد کا اعزاز وافتخار نصیب ہوگا اس قسم کی باتوں اور جوش شجاعت نے مدینہ سے باہر جنگ کے حامیوں کی تعداد کو بڑھا دیا یہاں تک کہ عبداللہ بن اُبی کی پیش کش سرد خانہ میں جا پڑی خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس مشورے کا احترام کیا اور مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کے طرفداروں کی رائے کو قبول فرمالیا اور ایک صحابی کے ساتھ مقام جنگ کا انتخاب کرنے کے لئے شہر سے باہر تشریف لے گئے آپ نے کوہ احد کا دامن لشکر گاہ کے لئے منتخب کیا کیونکہ جنگی نقطۂ نظر سے یہ مقام زیادہ مناسب تھا۔

مسلمانوں کی دفاعی تیاریاں

جمعہ کے دن آپ نے یہ مشورہ لیا اور نماز جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے آپ نے حمد وثناء کے بعد مسلمانوں کو لشکر قریش کی آمد کی اطلاع دی اور فرمایا:

''تہہ دل سے جنگ کے لئے آمادہ ہو جاؤ اور پورے جذبہ سے دشمن سے لڑو تو خداوند قدوس تمہیں کامیابی وکامرانی سے ہمکنار کرے گا اور اسی دن آپ ایک ہزار افراد کے ساتھ لشکر گاہ کی طرف روانہ ہوئے آپ خود لشکر کی کمان کر رہے تھے مدینہ سے نکلنے سے قبل آپ نے حکم دیا کہ لشکر کے تین علم بنائے جائیں جن میں ایک مہاجرین اور دو انصار کے ہوں''۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ اور احد کے درمیانی فاصلے کو پاپیادہ طے کیا اور سارے راستے لشکر کی دیکھ بھال کرتے رہے خود لشکر کی صفوں کو منظم ومرتب رکھا تاکہ وہ ایک ہی سیدھی صف میں حرکت کریں۔

ان میں سے کچھ ایسے افراد کو دیکھا جو پہلی دفعہ آپ کو نظر پڑے پوچھا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ بتایا گیا کہ یہ عبداللہ بن ابی کے ساتھی کچھ یہودی ہیں اور اس مناسبت سے مسلمانوں کی مدد کے لئے آئے ہیں آپ نے فرمایا کہ مشرکین سے جنگ کرنے میں مشرکین سے مدد نہیں لی جاسکتی مگر یہ کہ یہ لوگ اسلام قبول کرلیں یہودیوں نے اس شرط کو قبول نہ کیا اور سب مدینہ کی طرف پلٹ آئے یوں ایک ہزار میں سے تین سو افراد کم ہو گئے۔

لیکن مفسرین نے لکھا ہے کہ چونکہ عبداللہ بن اُبی کی رائے کو رد کیا گیا تھا اس لئے وہ اثنائے راہ میں تین سو سے زیادہ افراد کو لے کر مدینہ کی طرف پلٹ آیا بہر صورت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر کی ضروری چھان بین (یہودیوں یا ابن ابی ابی کے ساتھیوں کے نکالنے) کے بعد سات سو افراد کو ہمراہ لے کر کوہ احد کے دامن میں پہنچ گئے، اور نماز فجر کے بعد مسلمانوں کی صفوں کو آراستہ کیا۔

عبداللہ بن جبیر کو پچاس ماہر تیراندازوں کے ساتھ پہاڑ کے درہ پر تعینات کیا اور انہیں تاکید کی کہ وہ کسی صورت میں اپنی جگہ نہ چھوڑیں اور فوج کے پچھلے حصے کی حفاظت کریں اور اس حد تک تاکید کی کہ اگر ہم دشمن کا مکہ تک پیچھا کریں یا ہم شکست کھا جائیں اور دشمن ہمیں مدینہ تک جانے پر مجبور کردے پھر بھی تم اپنا مورچہ نہ چھوڑنا، دوسری طرف سے ابوسفیان نے خالد بن ولید کو منتخب

سپاہیوں کے ساتھ اس درہ کی نگرانی پر مقرر کیا اور انہیں ہر حالت میں وہیں رہنے کا حکم دیا اور کہا کہ جب اسلامی لشکر اس درہ سے ہٹ جائے تو فوراً لشکر اسلام پر پیچھے سے حملہ کردو۔

آغاز جنگ

دونوں لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے جنگ کے لئے آمادہ ہوگئے اور یہ دونوں لشکر اپنے نوجوانوں کو ایک خاص انداز سے اکسا رہے تھے، ابوسفیان کعبہ کے بتوں کے نام لے کر اور خوبصورت عورتوں کے ذریعے اپنے جنگی جوانوں کی توجہ مبذول کرا کے ان کو ذوق وشوق دلاتا تھا۔

جب کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے اسم مبارک اور انعامات اعلیٰ کے حوالے سے مسلمانوں کو جنگ کی ترغیب دیتے تھے اچانک مسلمانوں کی صدائے اللہ اکبر اللہ اکبر سے میدان اور دامن کوہ کی فضا گونج اٹھی جب کہ میدان کی دوسری طرف قریش کی لڑکیاں نے دف اور سارنگی پر اشعار گا گا کر قریش کے جنگ جو افراد کے احساسات کو ابھارتی تھیں۔

جنگ کے شروع ہوتے ہی مسلمانوں نے ایک شدید حملہ سے لشکر قریش کے پرخچے اڑا دیئے اور وہ حواس باختہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے اور لشکر اسلام نے ان کا پیچھا کرنا شروع کردیا خالد بن ولید نے جب قریش کی یقینی شکست دیکھی تو اس نے چاہا کہ درہ کے راستے نکل کر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کرے لیکن تیراندازوں نے اسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کردیا قریش کے قدم اکھڑتے دیکھ کر تازہ مسلمانوں کے ایک گروہ نے دشمن کو شکست خوردہ سمجھ کر مال غنیمت جمع کرنے کے لئے اچانک اپنی پوزیشن چھوڑ دی، ان کی دیکھا دیکھی درہ پر تعینات تیراندازوں نے بھی اپنا مورچہ چھوڑ دیا، ان کے کمانڈر عبداللہ بن جبیر نے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم یاد دلایا مگر سوائے چند (تقریباً دس افراد) کے کوئی اس اہم جگہ پر نہ ٹھہرا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ خالد بن ولید نے درہ خالی دیکھ کر بڑی تیزی سے عبداللہ بن جبیر پر حملہ کیا اور اسے اس کے ساتھیوں سمیت قتل کردیا، اس کے بعد انہوں نے پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کردیا اچانک مسلمانوں نے ہر طرف چمک دار تلواروں کی تیز دھاروں کو اپنے سروں پر دیکھا تو حواس باختہ ہوگئے اور اپنے آپ کو منظم نہ رکھ سکے قریش کے بھگوڑوں نے جب یہ صورتحال دیکھی تو وہ بھی پلٹ آئے اور مسلمانوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

اسی موقع پر لشکر اسلام کے بہادر افسر سید الشہداء حضرت حمزہ نے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ جام شہادت نوش کیا، سوائے چند شمع رسالت کے پروانوں کے اور بقیہ مسلمانوں نے وحشت زدہ ہو کر میدان کو دشمن کے حوالے کردیا۔

اس خطرناک جنگ میں جس نے سب سے زیادہ فداکاری کا مظاہرہ کیا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہونے والے دشمن کے ہر حملے کا دفاع کیا وہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام تھے۔

حضرت علی علیہ السلام بڑی جرأت اور بڑے حوصلہ سے جنگ کر رہے تھے یہاں تک کہ آپ کی تلوار ٹوٹ گئی، اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تلوار آپ کو عنایت فرمائی جو ذوالفقار کے نام سے مشہور ہے بالآخر آپ ایک مورچہ میں ٹھہر گئے اور حضرت علی علیہ السلام مسلسل آپ کا دفاع کرتے رہے یہاں تک کہ بعض مؤرخین کی تحقیق کے مطابق حضرت علی علیہ السلام کے جسم پر ساٹھ کاری زخم آئے، اور اسی موقع پر قاصد وحی نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: اے محمد یہ ہے مواسات و معاونت کا حق، آپؐ نے فرمایا (ایسا کیوں نہ ہو کہ) علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں، تو جبرائیل نے اضافہ کیا: میں تم دونوں سے ہوں۔

امام صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قاصد وحی کو آسمان میں یہ کہتے ہوئے دیکھا کہ: "لا سیف الاذوالفقار ولا فتی الا علی" (ذوالفقار کے علاوہ کوئی تلوار نہیں اور علی کے سوا کوئی جواں مرد نہیں)

اس اثناء میں یہ آواز بلند ہوئی کہ محمد قتل ہو گئے۔

یہ آواز فضائے عالم میں گونج اٹھی اس آواز سے جتنا بت پرستوں کے جذبات پر مثبت اثر پیدا ہوا اتنا ہی مسلمانوں میں عجیب اضطراب پیدا ہو گیا چنانچہ ایک گروہ کے ہاتھ پاؤں جواب دے گئے اور وہ بڑی تیزی سے میدان جنگ سے نکل گئے یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے سوچا کہ پیغمبر شہید ہو گئے ہیں لہٰذا اسلام ہی کو خیر باد کہہ دیا جائے اور بت پرستوں کے سرداروں سے امان طلب کر لی جائے لیکن ان کے مقابلہ میں فداکاروں اور جانثاروں کی بھی ایک قلیل جماعت تھی جن میں حضرت علی علیہ السلام ابودجانہ اور طلحہ جیسے بہادر لوگ موجود تھے جو باقی لوگوں کو پامردی اور استقامت کی دعوت دے رہے تھے ان میں سے انس بن نضر لوگوں کے درمیان آیا اور کہنے لگا: اے لوگو اگر محمد شہید ہو گئے ہیں تو محمد کا خدا تو قتل نہیں ہوا چلو اور جنگ کرو، اسی نیک اور مقدس ہدف کے حصول کے لئے درجہ شہادت پر فائز ہو جاؤ، یہ گفتگو تمام کرتے ہی انھوں نے دشمن پر حملہ کر دیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے، تاہم جلد معلوم ہو گیا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلامت ہیں اور اطلاع ایک شایعہ تھی۔

کون پکارا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قتل ہو گئے؟

''ابن قمعہ'' نے اسلامی سپاہی مصعب کو پیغمبر سمجھ کر اس پر کاری ضرب لگائی اور با آواز بلند کہا: لات وعزی کی قسم محمد قتل ہو گئے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ افواہ چاہے مسلمانوں نے اڑائی یا دشمن نے لیکن مسلمانوں کے لئے فائدہ مند ثابت ہوئی اس لئے کہ جب آواز بلند ہوئی تو دشمن میدان چھوڑ کر مکہ کی طرف چل پڑے ورنہ قریش کا فاتح لشکر جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے دلوں میں کینہ رکھتا تھا اور انتقام لینے کی نیت سے آیا تھا کبھی میدان نہ چھوڑتا، قریش کے پانچ ہزار افراد پر مشتمل لشکر نے میدان جنگ میں مسلمانوں کی کامیابی کے بعد ایک رات بھی صبح تک وہاں نہ گذاری اور اسی وقت مکہ کی طرف چل پڑے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کی خبر نے بعض مسلمانوں میں اضطراب و پریشانی پیدا کر دی، جو مسلمان اب تک میدان کارزار میں موجود تھے، انھوں نے اس خیال سے کہ دوسرے مسلمان پراکندہ نہ ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہاڑ کے اوپر لے گئے تاکہ مسلمانوں کو پتہ چل جائے کہ آپ بقید حیات ہیں، یہ دیکھ کر بھگوڑے واپس آ گئے اور آنحضرت کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہو گئے، آپ نے ان کو ملامت و سرزنش کی کہ تم نے ان خطرناک حالات میں کیوں فرار کیا، مسلمان شرمندہ تھے انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا: یا رسول خدا ہم نے آپ کی شہادت کی خبر سنی تو خوف کی شدت سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

مفسر عظیم مرحوم طبرسی، ابوالقاسم بلخی سے نقل کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن (پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ) سوائے تیرہ افراد کے تمام بھاگ گئے تھے، اور ان تیرہ میں سے آٹھ انصار اور پانچ مہاجر تھے، جن میں سے حضرت علی علیہ السلام اور طلحہ کے علاوہ باقی ناموں میں اختلاف ہے، البتہ دونوں کے بارے میں تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ انھوں نے فرار نہیں کیا۔

یوں مسلمانوں کو جنگ احد میں بہت زیادہ جانی اور مالی نقصان کا سامنا کرنا پڑا مسلمانوں کے ستر افراد شہید ہوئے اور بہت سے زخمی ہو گئے لیکن مسلمانوں کو اس شکست سے بڑا درس ملا جو بعد کی جنگوں میں ان کی کامیابی و کامرانی کا باعث بنا۔

جنگ کا خطرناک مرحلہ

جنگ احد کے اختتام پر مشرکین کا فتحیاب لشکر بڑی تیزی کے ساتھ مکہ پلٹ گیا لیکن راستے میں انہیں یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ انہوں نے اپنی کامیابی کو ناقص کیوں چھوڑ دیا۔ کیا ہی اچھا ہو کہ مدینہ کی طرف پلٹ جائیں اور اسے غارت و تاراج کر دیں اور اگر محمد زندہ ہوں تو انہیں ختم کر دیں تاکہ ہمیشہ کے لئے اسلام اور مسلمانوں کی فکر ختم ہو جائے، اور اسی بنا پر انہیں واپس لوٹنے کا حکم دیا گیا اور درحقیقت جنگ احد کا یہ وہ خطرناک مرحلہ تھا کیونکہ کافی مسلمان شہید اور زخمی ہو چکے تھے اور فطری طور پر وہ از سرنو جنگ کرنے کے لئے آمادہ نہیں تھے۔ جبکہ اس کے برعکس اس مرتبہ دشمن پورے جذبہ کے ساتھ جنگ کر سکتا تھا۔

یہ اطلاع پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فوراً حکم دیا کہ جنگ احد میں شریک ہونے والا لشکر دوسری جنگ کے لئے تیار ہو جائے، آپ نے یہ حکم خصوصیت سے دیا کہ جنگ احد کے زخمی بھی لشکر میں شامل ہوں، (حضرت علی علیہ السلام نے جن کے بدن پر دشمنوں نے 60 زخم لگائے تھے، لیکن آپ پھر دوبارہ دشمنوں کے مقابلہ میں آ گئے) ایک صحابی کہتے ہیں:

میں بھی زخمیوں میں سے تھا لیکن میرے بھائی کے زخم مجھ سے زیادہ شدید تھے، ہم نے ارادہ کر لیا کہ جو بھی حالت ہو ہم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہونچے گے، میری حالت چونکہ میرے بھائی سے کچھ بہتر تھی، جہاں میرا بھائی نہ چل پاتا میں اسے اپنے کندھے پر اٹھا لیتا، بڑی تکلیف سے ہم لشکر تک جا پہنچے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور لشکر اسلام "حمراء الاسد" کے مقام پر پہنچ گئے اور وہاں پر پڑاؤ ڈالا یہ جگہ مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر تھی۔

یہ خبر جب لشکر قریش تک پہنچی خصوصاً جب انھوں نے مقابلہ کے لئے ایسی آمادگی دیکھی کہ زخمی بھی میدان جنگ میں پہنچ گئے ہیں تو وہ پریشان ہو گئے اور ساتھ ہی انہیں یہ فکر بھی لاحق ہوئی کہ مدینہ سے تازہ دم فوج ان سے آملی ہے۔

اس موقع پر ایسا واقعہ پیش آیا جس نے ان کے دلوں کو اور کمزور کر دیا اور ان میں مقابلہ کی ہمت نہ رہی، واقعہ یہ ہوا کہ ایک مشرک جس کا نام "معبد خزاعی" تھا مدینہ سے مکہ کی طرف جا رہا تھا اس نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب کی کیفیت دیکھی تو انتہائی متاثر ہوا، اس کے انسانی جذبات میں حرکت پیدا ہوئی، اس نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: آپ کی یہ حالت و کیفیت ہمارے لئے بہت ہی ناگوار ہے آپ آرام کرتے تو ہمارے لئے بہتر ہوتا، یہ کہہ کر وہ وہاں سے چل پڑا اور "روحاء" کے مقام پر ابو سفیان کے لشکر سے ملا، ابوسفیان نے اس سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں سوال کیا تو اس نے جواب میں کہا: میں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ وہ ایسا عظیم لشکر لئے ہوئے تمہارا تعاقب کر رہے ہیں ایسا لشکر میں نے کبھی نہیں دیکھا اور تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔

ابوسفیان نے اضطراب اور پریشانی کے عالم میں کہا: تم کیا کہہ رہے ہو؟ ہم نے انہیں قتل کیا زخمی کیا اور منتشر کر کے رکھ دیا تھا، معبد خزاعی نے کہا: میں نہیں جانتا کہ تم نے پایا کیا ہے، میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ ایک عظیم اور کثیر لشکر اس وقت تمہارا تعاقب کر رہا ہے۔

ابوسفیان اور اسکے ساتھیوں نے قطعی فیصلہ کر لیا کہ وہ تیزی سے پیچھے کی طرف ہٹ جائیں اور مکہ کی طرف پلٹ جائیں اور اس مقصد کے لئے کہ مسلمان ان کا تعاقب نہ کریں اور انہیں پیچھے ہٹ جانے کا کافی موقع مل جائے، انہوں نے قبیلہ عبدالقیس کی ایک جماعت سے خواہش کی کہ وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں تک یہ خبر پہنچا دیں کہ ابوسفیان اور قریش کے بت پرست باقی ماندہ اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ختم کرنے کے لئے ایک عظیم لشکر کے ساتھ تیزی سے مدینہ کی طرف آ رہے ہیں، یہ جماعت گندم خریدنے کے لئے

مدینہ جارہی تھی جب یہ اطلاع پیغمبر اسلام ﷺ اور مسلمانوں تک پہنچی تو انہوں نے کہا: "حسبنا اللہ و نعم الو کیل" (خدا ہمارے لئے کافی ہے اور وہ ہمارا بہترین حامی اور مدافع ہے)۔

انہوں نے بہت انتظار کیا لیکن دشمن کے لشکر کی کوئی خبر نہ ہوئی، لہٰذا تین روز توقف کے بعد، وہ مدینہ کی طرف لوٹ گئے۔

کھوکھلی باتیں

جنگ بدر میں بعض مسلمانوں کی پر افتخار شہادت کے بعد بعض مسلمان جب باہم مل بیٹھتے تو ہمیشہ شہادت کی آرزو کرتے اور کہتے کاش یہ اعزاز میدان بدر میں ہمیں بھی نصیب ہو جاتا، یقیناً ان میں کچھ لوگ سچے بھی تھے لیکن ان میں ایک جھوٹا گروہ بھی تھا جس نے اپنے آپ کو سمجھنے میں غلطی کی، بہر حال زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ جنگ احد کا وحشت ناک معرکہ در پیش ہوا تو ان سچے مجاہدین نے بہادری سے جنگ کی اور جام شہادت نوش کیا اور اپنی آرزو کو پالیا لیکن جھوٹوں کے گروہ نے جب لشکر اسلام میں شکست کے آثار دیکھے تو وہ قتل ہونے کے ڈر سے بھاگ کھڑے ہوئے تو یہ قرآن انہیں سرزنش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "تم ایسے لوگ تھے کہ جو دلوں میں آرزو اور تمنائے شہادت کے دعویدار تھے، پھر جب تم نے اپنے محبوب کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا تو کیوں بھاگ کھڑے ہوئے"۔ [1]

حضرت علی علیہ السلام کے زخم

امام باقر علیہ السلام سے اس طرح منقول ہے: حضرت علی علیہ السلام کو احد کے دن اکسٹھ زخم لگے تھے اور پیغمبر ﷺ نے "ام سلیم" اور "ام عطیہ" کو حکم دیا کہ وہ دونوں حضرت علی علیہ السلام کے زخموں کا علاج کریں، تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ وہ حالت پریشانی میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کرنے لگے: کہ حضرت علی علیہ السلام کے بدن کی کیفیت یہ ہے کہ ہم جب ایک زخم باندھتے ہیں تو دوسرا کھل جاتا ہے اور ان کے بدن کے زخم اس قدر زیادہ اور خطرناک ہیں کہ ہم ان کی زندگی کے بارے میں پریشان ہیں تو حضرت رسول خدا ﷺ اور کچھ دیگر مسلمان حضرت علی علیہ السلام کی عیادت کے لئے ان کے گھر آئے جب کہ ان کے بدن پر زخم ہی زخم تھے پیغمبر اکرم ﷺ اپنے دست مبارک ان کے جسم سے مس کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو شخص راہ خدا میں اس حالت کو دیکھ لے وہ اپنی ہی ذمہ داری کے آخری درجہ کو پہنچ چکا ہے اور جن جن زخموں پر آپ ہاتھ رکھتے تھے وہ فوراً مل جاتے تھے تو اس وقت حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: الحمد اللہ کہ ان حالات میں جنگ سے نہیں بھاگا اور دشمن کو پشت نہیں دکھائی خدا نے ان کی کوشش کی قدردانی کی۔

ہم نے شکست کیوں کھائی؟

کافی شہید دے کر اور بہت نقصان اٹھا کر جب مسلمان مدینہ کی طرف پلٹ آئے تو ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ کیا خدا نے ہم سے فتح و کامیابی کا وعدہ نہیں کیا تھا، پھر اس جنگ میں ہمیں کیوں شکست ہوئی؟ اسی سے قرآن میں انہیں جواب دیا گیا اور شکست کے اسباب کی نشاندہی کی گئی۔ [2]

قرآن کہتا ہے کہ کامیابی کے بارے میں خدا کا وعدہ درست تھا اور اس کی وجہ ہی سے تم ابتداء جنگ میں کامیاب ہوئے اور حکم خدا سے تم نے دشمن کو تتر بتر کر دیا کامیابی کا یہ وعدہ اس وقت تک تھا جب تک تم استقامت اور پائیداری اور فرمان پیغمبری ﷺ کی پیروی سے دست بردار نہیں ہوئے اور شکست کا دروازہ اس وقت کھلا جب سستی اور نافرمانی نے تمہیں آگھیرا، یعنی اگر تم نے یہ سمجھ

---

[1] سورہ آل عمران آیت 163

[2] سورہ ال عمران آیت 152

رکھا ہے کہ کامیابی کا وعدہ بلا شرط تھا تو تمہاری بڑی غلط فہمی ہے بلکہ کامیابی کے تمام وعدے فرمان خدا کی پیروی کے ساتھ مشروط ہیں۔

عمومی معافی کا حکم

جو لوگ واقعہ احد کے دوران جنگ سے فرار ہو گئے تھے وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے اور انہوں نے ندامت وپشیمانی کے عالم میں معافی کی درخواست کی تو خدائے تعالیٰ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انہیں عام معافی دینے کے لئے فرمایا لہٰذا حکم الٰہی نازل ہوتے ہی آپ نے فراخ دلی سے توبہ کرنے والے خطا کاروں کو معاف کر دیا۔

قرآن میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک بہت بڑی اخلاقی خوبی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تم پروردگار کے لطف وکرم کے سبب ان پر مہربان ہو گئے اور اگر تم ان کے لئے سنگدل، سخت مزاج اور تندخو ہوتے اور عملاً ان پر لطف وعنایت نہ کرتے تو وہ تمہارے پاس سے بکھر جاتے۔ اس کے بعد حکم دیا گیا کہ ''ان کی کوتاہیوں سے درگزر فرمایئے اور انہیں اپنے دامن عفو میں جگہ دیجئے''۔[1]

یعنی اس جنگ میں انہوں نے جو بے وفائیاں آپ سے کی ہیں اور جو تکالیف اس جنگ میں آپ کو پہنچائی ہیں، ان کے لئے ان کی مغفرت طلب کیجئے اور میں خود ان کے لئے تم سے سفارش کرتا ہوں کہ انہوں نے میری جو مخالفتیں کی ہیں، مجھ سے ان کی مغفرت طلب کرو دوسرے لفظوں میں جو تم سے مربوط ہے اسے تم معاف کردو اور جو مجھ سے ربط رکھتا ہے اسے میں بخش دیتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمان خدا پر عمل کرتے ہوئے ان تمام خطا کاروں کو عام معافی دے دی۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہداء سے مخاطب

ابن مسعود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: خدا نے شہداء بدر واحد کی ارواح کو خطاب کرتے ہوئے ان سے پوچھا کہ تمہاری کیا آرزو ہے تو انہوں نے کہا: پروردگارا ہم اس سے زیادہ کیا آرزو کر سکتے ہیں کہ ہم ہمیشہ کی نعمتوں میں غرق ہیں اور تیرے عرش کے سائے میں رہتے ہیں، ہمارا تقاضا صرف یہ ہے کہ ہم دوبارہ دنیا کی طرف پلٹ جائیں اور پھر سے تیری راہ میں شہید ہوں، اس پر خدا نے فرمایا: میرا اٹل فیصلہ ہے کہ کوئی شخص دوبارہ دنیا کی طرف نہیں پلٹے گا۔

انہوں نے عرض کیا: جب ایسا ہی ہے تو ہماری تمنا ہے کہ ہمارے پیغمبر کو ہمارا سلام کو پہنچا دے، ہماری حالت ہمارے پسماندگان کو بتا دے اور انہیں ہماری حالت کی بشارت دے تا کہ ہمارے بارے میں انہیں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو۔

حنظلہ غسیل الملائکہ

''حنظلہ بن ابی عیاش'' جس رات شادی کرنا چاہتے تھے اس سے اگلے دن جنگ احد برپا ہوئی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب سے جنگ کے بارے میں مشورہ کر رہے تھے کہ وہ آپ کے پاس آئے اور عرض کی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجازت دے دیں تو یہ رات میں بیوی کے ساتھ گزار لوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔

---

[1] سورہ آل عمران آیت 159

واضح رہے کہ عفو ودرگزر کرنے کے لئے یہ ایک اہم اور بہت مناسب موقع تھا اور اگر آپ ایسا نہ کرتے تو لوگوں کے بکھر جانے کے لئے فضا ہموار تھی وہ لوگ جو اتنی بری شکست کا سامنا کر چکے تھے اور بہت سے مقتول ومجروح پیش کر چکے تھے (اگر چہ یہ سب کچھ ان کی اپنی غلطی سے ہوا تا ہم) ایسے لوگوں کو محبت، دلجوئی اور تسلی کی ضرورت تھی تا کہ ان کے دل اور جسم کے زخم پر مرہم لگ سکے اور وہ ان سے جانبر ہو کر آئندہ کے معرکوں کے لئے تیار ہو سکیں۔

صبح کے وقت انہیں جہاد میں شرکت کرنے کی اتنی جلدی تھی کہ وہ غسل بھی نہ کر سکے اسی حالت میں معرکہ کارزار میں شریک ہوگئے اور بالآخر جام شہادت نوش کیا، رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: میں نے فرشتوں کو دیکھا ہے کہ وہ آسمان وزمین کے درمیان حنظلہ کو غسل دے رہے ہیں۔

اسی لئے حنظلہ کو "**غسیل الملائکه**" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

قبیلہ بنی نضیر کی سازش

مدینہ میں یہودیوں کے تین قبیلے رہتے تھے، بنی نظیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع، کہا جاتا ہے کہ وہ اصلاً اہل حجاز نہ تھے لیکن چونکہ اپنی مذہبی کتب میں انہوں نے پڑھا تھا کہ ایک پیغمبر مدینہ میں ظہور کرے گا لہٰذا انہوں نے اس سرزمین کی طرف کوچ کیا اور وہ اس عظیم پیغمبر ﷺ کے انتظار میں تھے۔

جس وقت رسول خدا نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ نے ان کے ساتھ عدم تعرض کا عہد باندھا لیکن ان کو جب بھی موقع ملا انہوں نے یہ عہد توڑا۔

دوسری عہد شکنیوں کے علاوہ یہ کہ جنگ احد (جنگ احد ہجرت کے تیسرے سال واقع ہوئی) کعب ابن اشرف چالیس سواروں کے ساتھ مکہ پہنچا وہ اوراس کے ساتھی سب قریش کے پاس اوران سے عہد کیا کہ سب مل کر محمد ﷺ کے خلاف جنگ کریں اس کے بعد ابوسفیان چالیس مکی افراد کے ساتھ اور کعب بن اشرف ان چالیس یہودیوں کے ساتھ مسجد الحرام میں وارد ہوئے اور انہوں نے خانہ کعبہ کے پاس اپنے عہد و پیمان کو مستحکم کیا یہ خبر بذریعہ وحی پیغمبر اسلام ﷺ کو مل گئی۔

دوسرے یہ کہ ایک روز پیغمبر اسلام ﷺ اپنے چند بزرگ اصحاب کے ساتھ قبیلہ بنی نضیر کے پاس آئے یہ لوگ مدینہ کے قریب رہتے تھے۔

پیغمبر اسلام ﷺ اور آپ کے صحابہ کا حقیقی مقصد یہ تھا کہ آپ اس طرح بنی نظیر کے حالات قریب سے دیکھنا چاہتے تھے اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان غفلت کا شکار ہو کر دشمنوں کے ہاتھوں مارے جائیں۔

پیغمبر اسلام ﷺ یہودیوں کے قلعہ کے باہر تھے آپؐ نے کعب بن اشرف سے اس سلسلہ میں بات کی اسی دوران یہودیوں کے درمیان سازش ہونے لگی وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ایسا عمدہ موقع اس شخص کے سلسلہ میں دوبارہ ہاتھ نہیں آئے گا، اب جب کہ یہ تمہاری دیوار کے پاس بیٹھا ہے ایک آدمی چھت پر جائے اور ایک بہت بڑا پتھر اس پر پھینک دے اور ہمیں اس سے نجات دلا دے ایک یہودی، جس کا نام عمر بن حجاش تھا، اس نے آمادگی ظاہر کی وہ چھت پر چلا گیا رسول خدا ﷺ بذریعہ وحی باخبر ہوگئے اور وہاں سے اٹھ کر مدینہ آگئے آپ نے اپنے اصحاب سے کوئی بات نہیں کی ان کا خیال تھا کہ پیغمبر اکرم ﷺ لوٹ کر مدینہ جائیں گے ان کو معلوم ہوا کہ آپ مدینہ پہنچ گئے ہیں چنانچہ وہ بھی مدینہ پلٹ آئے یہ وہ منزل تھی کہ جہاں پیغمبر اسلام ﷺ پر یہودیوں کی پیمان شکنی واضح وثابت ہوگئی تھی آپ نے مسلمانوں کو جنگ کے لئے تیار ہوجانے کا حکم دیا۔

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ بنی نظیر کے ایک شاعر نے پیغمبر اسلام ﷺ کی ہجو میں کچھ اشعار کہے اور آپ کے بارے میں بدگوئی بھی کی ان کی پیمان شکنی کی یہ ایک اور دلیل تھی۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے اس وجہ سے کہ ان پر پہلے سے ایک کاری ضرب لگائیں، محمد بن مسلمہ کو جو کعب بن اشرف رئیس

یہود سے آشنائی رکھتا تھا، حکم دیا کہ وہ کعب کو قتل کردے اس نے کعب کو قتل کردیا، کعب بن اشرف کے قتل ہوجانے نے یہودیوں کو متزلزل کردیا، اس کے ساتھ ہی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ہر مسلمان اس عہد شکن قوم سے جنگ کرنے کے لئے چل پڑے جس وقت وہ اس صورت حال سے باخبر ہوئے تو انہوں نے اپنے مضبوط و مستحکم قلعوں میں پناہ لے لی اور دروازے بند کر لئے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ چند کھجوروں کے درخت جو قلعوں کے قریب ہیں، کاٹ دیے جائیں یا جلا دیئے جائیں۔

یہ کام غالباً اس مقصد کے پیش نظر ہوا کہ یہودی اپنے مال واسباب سے بہت محبت رکھتے تھے وہ اس نقصان کی وجہ سے قلعوں سے باہر نکل کر آمنے سامنے جنگ کریں گے مفسرین کی طرف سے یہ احتمال بھی تجویز کیا گیا ہے کہ کاٹے جانے والے کھجوروں کے یہ درخت مسلمانوں کی تیز نقل وحرکت میں رکاوٹ ڈالتے تھے لہٰذا انہیں کاٹ دیا جانا چاہئے تھا بہرحال اس پر یہودیوں نے فریاد کی انہوں نے کہا: ''اے محمدؐ آپ تو ہمیشہ اس قسم کے کاموں سے منع کرتے تھے یہ کیا سلسلہ ہے'' تو اس وقت وحی نازل ہوئی [1] اور انہیں جواب دیا کہ یہ ایک مخصوص حکم الٰہی تھا۔

محاصرہ نے کچھ دن طول کھینچا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوں ریزی سے پرہیز کرتے ہوئے ان سے کہا کہ وہ مدینہ کو خیر باد کہہ دیں اور کہیں دوسری جگہ چلے جائیں انہوں نے اس بات کو قبول کرلیا کچھ سامان اپنا لے لیا اور کچھ چھوڑ دیا ایک جماعت ''اذرعات'' شام کی طرف اور ایک مختصر سی تعداد خیبر کی طرف چلی گئی ایک گروہ ''حیرہ'' کی طرف چلا گیا ان کے چھوڑے ہوئے اموال، زمینیں، باغات اور گھر مسلمانوں کے ہاتھ لگے، چلتے وقت جتنا ان سے ہوسکا انہوں نے اپنے گھر توڑ پھوڑ دیئے یہ واقعہ جنگ احد کے چھ ماہ بعد اور ایک گروہ کی نظر کے مطابق جنگ بدر کے چھ ماہ بعد ہوا۔ [2]

جنگ احزاب

تاریخ اسلام کے اہم حادثوں میں سے ایک جنگ احزاب بھی ہے یہ ایک ایسی جنگ جو تاریخ اسلام میں ایک اہم تاریخی موڑ ثابت ہوئی اور اسلام وکفر کے درمیان طاقت کے موازنہ کے پلڑے کو مسلمانوں کے حق میں جھکا دیا اور اس کی کامیابی آئندہ کی عظیم کامیابیوں کے لئے کلیدی حیثیت اختیار کرگئی اور حقیقت یہ ہے کہ اس جنگ میں دشمنوں کی کمر ٹوٹ گئی اور اس کے بعد وہ کوئی خاص قابل ذکر کارنامہ انجام دینے کے قابل نہ رہ سکے۔

''یہ جنگ احزاب'' جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے تمام اسلام دشمن طاقتوں اور ان مختلف گروہوں کی طرف سے ہر طرح کا مقابلہ تھا کہ اس دین کی پیش رفت سے ان لوگوں کے ناجائز مفادات خطرے میں پڑ گئے تھے۔ جنگ کی آگ کی چنگاری ''بنی نضیر'' یہودیوں کے اس گروہ کی طرف سے بھڑکی جو مکہ میں آئے اور قبیلہ ''قریش'' کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لڑنے پر اکسایا اور ان سے وعدہ کیا کہ آخری دم تک ان کا ساتھ دیں گے پھر قبیلہ ''غطفان'' کے پاس گئے اور انہیں بھی کارزار کے لئے آمادہ کیا۔

ان قبائل نے اپنے ہم پیمان اور حلیفوں مثلاً قبیلہ ''بنی اسد'' اور ''بنی سلیم'' کو بھی دعوت دی اور چونکہ یہ سب قبائل خطرہ محسوس کئے ہوئے تھے، لہٰذا اسلام کا کام ہمیشہ کے لئے تمام کرنے کے لئے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا تا کہ وہ اس طرح سے پیغمبر کو شہید، مسلمانوں کو سرکوب، مدینہ کو غارت اور اسلام کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل کردیں۔

---

[1] سورہ حشر آیت 5

[2] یہ واقعہ سورہ حشر کی ابتدائی آیات میں بیان ہوا ہے۔

کل ایمان کل کفر کے مقابلہ میں

جنگ احزاب کفر کی آخری کوشش، ان کے ترکش کا آخری تیر اور شرک کی قوت کا آخری مظاہرہ تھا اسی بنا پر جب دشمن کا سب سے بڑا پہلوان عمرو بن عبدود عالم اسلام کے دلیر مجاہد حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے مقابلہ میں آیا تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''سارے کا سارا ایمان سارے کے سارے (کفر اور) شرک کے مقابلہ میں آ گیا ہے''۔

کیونکہ ان میں سے کسی ایک کی دوسرے پر فتح کفر کی ایمان پر یا ایمان کی کفر پر مکمل کامیابی تھی دوسرے لفظوں میں یہ فیصلہ کن معرکہ تھا جو اسلام اور کفر کے مستقبل کا تعین کر رہا تھا اسی بناء پر دشمن کی اس عظیم جنگ اور کارزار میں کمر ٹوٹ گئی اور اس کے بعد ہمیشہ مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔

دشمن کا ستارہ اقبال غروب ہو گیا اور اس کی طاقت کے ستون ٹوٹ گئے اسی لئے ایک حدیث میں ہے کہ حضرت رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ احزاب کے خاتمہ پر فرمایا:

''اب ہم ان سے جنگ کریں گے اور ان میں ہم سے جنگ کی سکت نہیں ہے''۔

لشکر کی تعداد

بعض مؤرخین نے لشکر کفار کی تعداد دس ہزار سے زیادہ لکھی ہے۔ مقریزی اپنی کتاب ''الامتاع'' میں لکھتے ہیں: ''صرف قریش نے چار ہزار جنگ جوؤں، تین سو گھوڑوں اور پندرہ سو اونٹوں کے ساتھ خندق کے کنارے پڑاؤ ڈالا تھا، قبیلہ ''بنی سلیم'' سات سو افراد کے ساتھ ''مرالظہر ان'' کے علاقہ میں ان سے آ ملا، قبیلہ ''بنی فرازہ'' ہزار افراد کے ساتھ، ''بنی اشجع'' اور ''بنی مرہ'' کے قبائل میں سے ہر ایک چار چار سو افراد کے ساتھ پہنچ گیا۔ اور دوسرے قبائل نے بھی اپنے آدمی بھیجے جن کی مجموعی تعداد دس ہزار سے بھی زیادہ بنتی ہے''

جبکہ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار سے زیادہ نہ تھی انہوں نے (مدینہ کے قریب) ''سلع'' نامی پہاڑی کے دامن کو جو ایک بلند جگہ تھی وہاں پر لشکر کفار نے مسلمانوں کا ہر طرف سے محاصرہ کر لیا اور ایک روایت کے مطابق بیس دن دوسری روایت کے مطابق پچیس دن اور بعض روایات کے مطابق ایک ماہ تک محاصرہ جاری رہا۔

باوجودیکہ دشمن مسلمانوں کی نسبت مختلف پہلوؤں سے برتری رکھتا تھا لیکن جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں، آخر کار ناکام ہو کر واپس پلٹ گیا۔

خندق کی کھدائی

خندق کے کھودنے کا سلسلہ حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے وقوع پذیر ہوا خندق کے اس زمانے میں ملک ایران میں دفاع کا مؤثر ذریعہ تھا اور جزیرۃ العرب میں اس وقت تک اس کی مثال نہیں تھی اور عرب میں اس کا شمار نئی ایجادات میں ہوتا تھا اطراف مدینہ میں اس کا کھودنا فوجی لحاظ سے بھی اہمیت کا حامل تھا یہ خندق دشمن کے حوصلوں کو پست کرنے اور مسلمانوں کے لئے روحانی تقویت کا بھی ایک مؤثر ذریعہ تھی۔

خندق کے کوائف اور جزئیات کے بارے میں صحیح طور پر معلومات تک رسائی تو نہیں ہے البتہ مؤرخین نے اتنا ضرور لکھا ہے کہ اس کا عرض اتنا تھا کہ دشمن کے سوار جست لگا کر بھی اس کو عبور نہیں کر سکتے تھے اس کی گہرائی یقیناً اتنی تھی کہ اگر کوئی شخص اس میں

داخل ہوجاتا ہے تو آسانی کے ساتھ دوسری طرف باہر نہیں نکل سکتا تھا،علاوہ ازیں مسلمان تیراندازوں کا خندق والے علاقے پر اتنا تسلط تھا کہ اگر کوئی شخص خندق کو عبور کرنے کا ارداہ کرتا تھا تو ان کے لئے ممکن تھا کہ اسے خندق کے اندر ہی تیر کا نشانہ بنالیتے۔

رہی اس کی لمبائی تو مشہور روایت کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس،دس افراد کو چالیس ہاتھ (تقریباً 20 میٹر) خندق کھودنے پر مامور کیا تھا،اور مشہور قول کے پیش نظر لشکر اسلام کی تعداد تین ہزار تھی تو مجموعی طور پر اس کی لمبائی اندازاً بارہ ہزار ہاتھ (چھ ہزار میٹر) ہوگی۔

اس بات کا بھی اعتراف کرنا چاہئے کہ اس زمانے میں نہایت ہی ابتدائی وسائل کے ساتھ اس قسم کی خندق کھودنا بہت ہی طاقت فرسا کام تھا خصوصاً جب کہ مسلمان خوراک اور دوسرے وسائل کے لحاظ سے بھی سخت تنگی میں تھے۔

یقیناً خندق کھودی بھی نہایت کم مدت میں گئی یہ امر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ لشکر اسلام پوری ہوشیاری کے ساتھ دشمن کے حملہ آور ہونے سے پہلے ضروری پیش بندی کر چکا تھا اور وہ بھی اس طرح سے کہ لشکر کفر کے مدینہ پہنچنے سے تین دن پہلے خندق کی کھدائی کا کام مکمل ہو چکا تھا۔

عمروبن عبدود سے حضرت علی علیہ السلام کی تاریخی جنگ

اس جنگ کا ایک اہم واقعہ حضرت علی علیہ السلام کا دشمن کے لشکر کے نامی گرامی پہلوان عمرو بن عبدود کے ساتھ مقابلہ تھا تاریخ میں آیا ہے کہ لشکر احزاب نے جن دلاوران عرب میں سے بہت طاقتور افراد کو اس جنگ میں اپنی امداد کے لئے دعوت دے رکھی تھی، ان میں سے پانچ افراد زیادہ مشہور تھے،عمرو بن عبدود،عکرمہ بن ابی جہل،ہبیرہ،نوفل اور ضرار یہ لوگ دوران محاصرہ ایک دن دست بدست لڑائی کے لئے تیار ہوئے،لباس جنگ بدن پر سجایا اور خندق کے ایک کم چوڑے حصے سے،جو مجاہدین اسلام کے تیروں کی پہنچ سے کسی قدر دور تھا،اپنے گھوڑوں کے ساتھ دوسری طرف جست لگائی اور لشکر اسلام کے سامنے آکھڑے ہوئے ان میں سے عمرو بن عبدود زیادہ مشہور اور نامور تھا اس کی "کوئی ہے بہادر" کی آواز میدان احزاب میں گونجی اور چونکہ مسلمانوں میں سے کوئی بھی اس کے مقابلہ کے لئے تیار نہ ہوا لہٰذا وہ زیادہ گستاخ ہوگیا اور مسلمانوں کے عقاید اور نظریات کا مذاق اڑانے لگا اور کہنے لگا:

"تم تو یہ کہتے ہو کہ تمہارے مقتول جنت میں ہیں اور ہمارے مقتول جہنم میں تو کیا تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے میں بہشت میں بھیجوں یا وہ مجھے جہنم کی طرف روانہ کرے؟"

اس موقع پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ کوئی شخص کھڑا ہو اور اس کے شر کو مسلمانوں کے سر سے کم کر دے لیکن حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے سوا کوئی بھی اس کے ساتھ جنگ کے لئے آمادہ نہ ہوا تو آنحضرت نے علی ابن اطالب علیہ السلام سے فرمایا: یہ عمر وبن عبدود ہے "حضرت علی علیہ السلام نے عرض کی حضورؐ! میں بالکل تیار ہوں خواہ عمرو ہی کیوں نہ ہو"، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: "میرے قریب آؤ" چنانچہ علی علیہ السلام آپ کے قریب گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور اپنی مخصوص تلوار ذوالفقار انہیں عطا فرمائی اور ان الفاظ میں انہیں دعا دی: "خدایا علی کے سامنے سے، پیچھے سے، دائیں اور بائیں سے اور اوپر اور نیچے سے حفاظت فرما"۔

حضرت علی علیہ السلام بڑی تیزی سے عمرو کے مقابلہ کے لئے میدان میں پہنچ گئے۔

یہی وہ موقع تھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختمی المرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ مشہور جملہ ارشاد فرمایا: "کل ایمان کل کفر کے مقابلہ میں

جا رہا ہے“۔

ضربت علی علیہ السلام ثقلین کی عبادت پر بھاری

امیر المومنین علی علیہ السلام نے پہلے تو اسے اسلام کی دعوت دی جسے اس نے قبول نہ کیا پھر میدان چھوڑ کر چلے جانے کو کہا اس پر بھی اس نے انکار کیا اور اپنے لئے باعث ننگ و عار سمجھا آپ کی تیسری پیشکش یہ تھی کہ گھوڑے سے اتر آئے اور پیادہ ہو کر دست بدست لڑائی کرے۔

عمرو آگ بگولہ ہو گیا اور کہا کہ میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ عرب میں سے کوئی بھی شخص مجھے ایسی تجویز دے گا گھوڑے سے اتر آیا اور علی علیہ السلام پر اپنی تلوار کا وار کیا لیکن امیر المومنین علی علیہ السلام نے اپنی مخصوص مہارت سے اس وار کو اپنی سپر کے ذریعے روکا، مگر تلوار نے سپر کو کاٹ کر آپ کے سر مبارک کو زخمی کر دیا اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے ایک خاص حکمت عملی سے کام لیا عمرو بن عبدود سے فرمایا: تو عرب کا زبردست پہلوان ہے، جب کہ میں تجھ سے تن تنہا لڑ رہا ہوں لیکن تو نے اپنے پیچھے کن لوگوں کو جمع کر رکھا ہے اس پر عمرو نے جیسے ہی پیچھے مڑ کر دیکھا۔

حضرت علی علیہ السلام نے عمرو کی پنڈلی پر تلوار کا وار کیا، جس سے وہ سرو قد زمین پر لوٹنے لگا شدید گرد و غبار نے میدان کی فضا کو گھیر رکھا تھا کچھ منافقین یہ سوچ رہے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام، عمرو کے ہاتھوں شہید ہو گئے ہیں لیکن جب انھوں نے تکبیر کی آواز سنی تو علی کی کامیابی ان پر واضح ہو گئی اچانک لوگوں نے دیکھا کہ آپ کے سر مبارک سے خون بہہ رہا تھا اور لشکر گاہ اسلام کی طرف خراماں خراماں واپس آرہے تھے جبکہ فتح کی مسکراہٹ آپ کے لبوں پر کھیل رہی تھی اور عمرو کا پیکر بے سر میدان کے کنارے ایک طرف پڑا ہوا تھا۔

عرب کے مشہور پہلوان کے مارے جانے سے لشکر احزاب اور ان کی آرزوؤں پر ضرب کاری لگی ان کے حوصلے پست اور دل انتہائی کمزور ہو گئے اس ضرب نے ان کی فتح کی آرزوؤں پر پانی پھیر دیا اسی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کامیابی کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام سے ارشاد فرمایا:

”اگر تمہارے آج کے عمل کو ساری امت محمد کے اعمال سے موازنہ کریں تو وہ ان پر بھاری ہوگا، کیونکہ عمرو کے مارے جانے سے مشرکین کا کوئی ایسا گھر باقی نہیں رہا جس میں ذلت و خواری داخل نہ ہوئی ہو اور مسلمانوں کا کوئی بھی گھر ایسا نہیں ہے جس میں عمرو کے قتل ہو جانے کی وجہ سے عزت داخل نہ ہوئی ہو“۔

اہل سنت کے مشہور عالم، حاکم نیشاپوری نے اس گفتگو کو نقل کیا ہے البتہ مختلف الفاظ کے ساتھ اور وہ یہ ہے:

”لمبارزۃ علی بن ابیطالب لعمروبن عبدود یوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیامۃ“

”یعنی علی بن ابی طالب کی خندق کے دن عمرو بن عبدود سے جنگ میری امت کے قیامت تک کے اعمال سے افضل ہے“

آپ کے اس ارشاد کا فلسفہ واضح ہے، کیونکہ اس دن اسلام اور قرآن ظاہراً نابودی کے کنارے پر پہنچ چکے تھے، ان کے لئے زبردست بحرانی لحات تھے، جس شخص نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فداکاری کے بعد اس میدان میں سب سے زیادہ ایثار اور قربانی کا ثبوت دیا، اسلام کو خطرے سے محفوظ رکھا، قیامت تک اس کے دوام کی ضمانت دی، اس کی فداکاری سے اسلام کی جڑیں مضبوط ہو گئیں اور پھر اسلام عالمین پر پھیل گیا لہٰذا سب لوگوں کی عبادتیں اسکی مرہون منت قرار پا گئیں۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ مشرکین نے کسی آدمی کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تا کہ وہ عمرو بن عبدود کے لاشہ کو دس ہزار درہم میں خرید لائے (شاید ان کا خیال یہ تھا کہ مسلمان عمرو کے بدن کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو سنگدل ظالموں نے حمزہؓ کے بدن کے ساتھ جنگ اُحد میں کیا تھا) لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کا لاشہ تمہاری ملکیت ہے ہم مردوں کی قیمت نہیں لیا کرتے۔

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ جس وقت عمرو کی بہن اپنے بھائی کے لاشہ پر پہنچی اور اس کی قیمتی زرہ کو دیکھا کہ جو حضرت علی علیہ السلام نے اس کے بدن سے نہیں اتاری تو اس نے کہا:

''میں اعتراف کرتی ہوں کہ اس کا قاتل کریم اور بزرگوار شخص ہی تھا''

نعیم بن مسعود کی داستان اور دشمن کے لشکر میں پھوٹ

نعیم جو تازہ مسلمان تھے اور ان کے قبیلہ ''غطفان'' کو لشکر اسلام کی خبر نہیں تھی، وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ آپؐ مجھے جو حکم بھی دیں گے، میں حتمی کامیابی کے لئے اس پر کاربند رہوں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تمہارے جیسا شخص ہمارے درمیان اور کوئی نہیں ہے۔ اگر تم دشمن کے لشکر کے درمیان پھوٹ ڈال سکتے ہو تو ڈالو۔ کیونکہ جنگ پوشیدہ تدابیر کا مجموعہ ہے''۔

نعیم بن مسعود نے ایک عمدہ تدبیر سوچی اور وہ یہ کہ وہ بنی قریظہ کے یہودیوں کے پاس گیا، جن سے زمانہ جاہلیت میں ان کی دوستی تھی ان سے کہا اے بنی قریظہ تم جانتے ہو کہ مجھے تمہارے ساتھ محبت ہے۔

انھوں نے کہا آپ سچ کہتے ہیں: ہم آپ پر اس بارے میں ہرگز کوئی الزام نہیں لگاتے۔

نعیم بن مسعود نے کہا: قبیلہ قریش اور غطفان تمہاری طرح نہیں ہیں، یہ تمہارا اپنا شہر ہے، تمہارا مال اولاد اور عورتیں یہاں پر ہیں اور تم ہرگز یہ نہیں کر سکتے کہ یہاں سے کوچ کر جاؤ۔

قریش اور قبیلہ غطفان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب کے ساتھ جنگ کرنے کے لے آئے ہوئے ہیں اور تم نے ان کی حمایت کی ہے جبکہ ان کا شہر کہیں اور ہے اور ان کے مال اور عورتیں بھی دوسری جگہ پر ہیں، اگر انہیں موقع ملے تو لوٹ مار اور غارت گری کر کے اپنے ساتھ لے جائیں گے، اگر کوئی مشکل پیش آ جائے تو اپنے شہر کو لوٹ جائیں گے، لیکن تم کو اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو اسی شہر میں رہنا ہے اور یقیناً تم اکیلے ان سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، تم اس وقت تک اسلحہ نہ اٹھاؤ جب تک قریش سے کوئی معاہدہ نہ کرلو اور وہ اس طرح کہ وہ چند سرداروں اور بزرگوں کو تمہارے پاس گروی رکھ دیں تا کہ وہ جنگ میں کوتاہی نہ کریں۔

بنی قریظہ کے یہودیوں نے اس نظریہ کو بہت سراہا۔

پھر نعیم مخفی طور پر قریش کے پاس گیا اور ابوسفیان اور قریش کے چند سرداروں سے کہا کہ تم اپنے ساتھ میری دوستی کی کیفیت سے اچھی طرح آگاہ ہو، ایک بات میرے کانوں تک پہنچی ہے، جسے تم تک پہنچانا میں اپنا فریضہ سمجھتا ہوں تا کہ خیر خواہی کا حق ادا کر سکوں لیکن میری خواہش یہ ہے کہ یہ بات کسی اور کو معلوم نہ ہونے پائے۔

انھوں نے کہا کہ تم بالکل مطمئن رہو۔

نعیم کہنے لگے: تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہودی محمد ﷺ کے بارے میں تمہارے طرز عمل سے اپنی برائت کا فیصلہ کر چکے ہیں، یہودیوں نے محمد ﷺ کے پاس قاصد بھیجا ہے اور کہلوایا ہے کہ ہم اپنے کئے پر پشیمان ہیں اور کیا یہ کافی ہوگا کہ ہم قبیلہ قریش اور غطفان کے چند سردار آپؐ کے لئے یرغمال بنالیں اور ان کو بندھے ہاتھوں آپ کے سپرد کردیں تا کہ آپ ان کی گردن اڑادیں، اس کے بعد ہم آپ کے ساتھ مل کر ان کی بیخ کنی کریں گے؟ محمد ﷺ نے بھی ان کی پیش کش کو قبول کرلیا ہے، اس بناء پر اگر یہودی تمہارے پاس کسی کو بھیجیں اور گروی رکھنے کا مطالبہ کریں تو ایک آدمی بھی ان کے سپرد نہ کرنا کیونکہ خطرہ یقینی ہے۔

پھر وہ اپنے قبیلہ غطفان کے پاس آئے اور کہا: تم میرے اصل اور نسب کو اچھی طرح جانتے ہو۔

میں تمہارا عاشق اور فریفتہ ہوں اور میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ تمہیں میرے خلوص نیت میں تھوڑا سا بھی شک اور شبہ ہو۔

انھوں نے کہا: تم سچ کہتے ہو، یقیناً ایسا ہی ہے۔

نعیم نے کہا: میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں لیکن ایسا ہو کہ گویا تم نے مجھ سے بات نہیں سنی۔

انھوں نے کہا: مطمئن رہو یقیناً ایسا ہی ہوگا، وہ بات کیا ہے؟

نعیم نے وہی بات جو قریش سے کہی تھی یہودیوں کے پشیمان ہونے اور یرغمال بنانے کے ارادے کے بارے میں حرف بحرف ان سے بھی کہہ دیا اور انہیں اس کام کے انجام سے ڈرایا۔

اتفاق سے وہ (ماہ شوال سن 5 ہجری کے) جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی رات تھی۔ ابوسفیان اور غطفان کے سرداروں نے ایک گروہ بنی قریظہ کے یہودیوں کے پاس بھیجا اور کہا: ہمارے جانور یہاں تلف ہورہے ہیں اور یہاں ہمارے لئے ٹھہرنے کی کوئی جگہ نہیں۔ کل صبح ہمیں حملہ شروع کرنا چاہیے تاکہ کام کو کسی نتیجے تک پہنچائیں۔

یہودیوں نے جواب میں کہا: کل ہفتہ کا دن ہے اور ہم اس دن کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتے، علاوہ ازیں ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ اگر جنگ نے تم پر دباؤ ڈالا تو تم اپنے شہروں کی طرف پلٹ جاؤ گے اور ہمیں یہاں تنہا چھوڑ دو گے۔ ہمارے تعاون او رساتھ دینے کی شرط یہ ہے کہ ایک گروہ گروی کے طور پر ہمارے حوالے کردو، جب یہ خبر قبیلہ قریش اور غطفان تک پہنچی تو انھوں نے کہا: خدا کی قسم نعیم بن مسعود سچ کہتا تھا، دال میں کالا ضرور ہے۔

لہٰذا انھوں نے اپنے قاصد یہودیوں کے پاس بھیجے اور کہا: بخدا ہم تو ایک آدمی بھی تمہارے سپرد نہیں کریں گے اور اگر جنگ میں شریک ہو تو ٹھیک ہے شروع کرو۔

بنی قریظہ جب اس سے باخبر ہوئے تو انھوں نے کہا: واقعاً نعیم بن مسعود نے حق بات کہی تھی یہ جنگ نہیں کرنا چاہتے بلکہ کوئی چکر چلا رہے ہیں، یہ چاہتے ہیں کہ لوٹ مار کر کے اپنے شہروں کو لوٹ جائیں اور ہمیں محمد ﷺ کے مقابلہ میں اکیلا چھوڑ جائیں پھر انہوں نے پیغام بھیجا کہ اصل بات وہی ہے جو ہم کہہ چکے ہیں، بخدا جب تک کچھ افراد گروی کے طور پر ہمارے سپرد نہیں کرو گے، ہم بھی جنگ نہیں کریں گے، قریش اور غطفان نے بھی اپنی بات پر اصرار کیا، لہٰذا ان کے درمیان بھی اختلاف پڑ گیا۔ اور یہ وہی موقع تھا کہ رات کو اس قدر زبردست سرد طوفانی ہوا چلی کہ ان کے خیمے اکھڑ گئے اور دیگیں چولہوں سے زمین پر آپڑیں۔

یہ سب عوامل مل ملا کر اس بات کا سبب بن گئے کہ دشمن کو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنا پڑا اور فرار کو قرار پر ترجیح دینی پڑی۔ یہاں تک کہ میدان میں ان کا ایک آدمی بھی نہ رہا۔

حذیفہ کا واقعہ

بہت سی تواریخ میں آیا ہے، کہ حذیفہ یمانی کہتے ہیں کہ ہم جنگ خندق میں بھوک اور تھکن، وحشت اور اضطراب سے اس قدر دو چار تھے کہ خدا ہی بہتر جانتا ہے، ایک رات (لشکر احزاب میں اختلاف پڑ جانے کے بعد) پیغمبر ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو چھپ چھپا کر دشمن کی لشکر گاہ میں جائے اور ان کے حالات معلوم کر لائے تا کہ وہ جیت میں میرا رفیق اور ساتھی ہو۔

حذیفہ کہتے ہیں: خدا کی قسم کوئی شخص بھی شدت وحشت، تھکن اور بھوک کے مارے اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔

جس وقت آنحضرت ﷺ نے یہ حالت دیکھی تو مجھے آواز دی، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا جاؤ اور میرے پاس ان لوگوں کی خبر لے آؤ۔ لیکن وہاں کوئی اور کام انجام نہ دینا یہاں تک کہ میرے پاس آجاؤ۔

میں ایسی حالت میں وہاں پہنچا جب کہ سخت آندھی چل رہی تھی اور طوفان بر پا تھا اور خدا کا یہ لشکر انہیں تہس نہس کر رہا تھا۔ خیمے تیز آندھی کے سبب ہوا میں اڑ رہے تھے۔ آگ بیابان میں پھیل چکی تھی۔ کھانے کے برتن الٹ پلٹ گئے تھے اچانک میں نے ابوسفیان کا سایہ محسوس کیا کہ وہ اس تاریکی میں بلند آواز سے کہہ رہا تھا: اے قریش تم میں سے ہر ایک اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے کو اچھی طرح سے پہچان لے تا کہ یہاں کوئی بے گانہ نہ ہو، میں نے پہل کر کے فوراً ہی اپنے پاس بیٹھنے والے شخص سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا، فلاں ہوں، میں نے کہا بہت اچھا۔

پھر ابوسفیان نے کہا: خدا کی قسم یہ ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے، ہمارے اونٹ گھوڑے ضائع ہو چکے ہیں اور بنی قریظہ نے اپنا پیمان توڑ ڈالا ہے اور اس طوفان نے ہمارے لئے کچھ نہیں چھوڑا۔

پھر وہ بڑی تیزی سے اپنے اونٹ کی طرف بڑھا اور سوار ہونے کے لئے اسے زمین سے اٹھایا، اور اس قدر جلدی میں تھا کہ اونٹ کے پاؤں میں بندھی ہوئی رسی کھولنا بھول گیا، لہٰذا اونٹ تین پاؤں پر کھڑا ہو گیا، میں نے سوچا ایک ہی تیر سے اسکا کام تمام کر دوں، ابھی تیر چلہ کمان میں جوڑا ہی تھا کہ فوراً آنحضرت ﷺ کا فرمان یاد آ گیا کہ جس میں آپؐ نے فرمایا تھا کچھ کاروائی کے بغیر واپس آجانا، تمہارا کام صرف وہاں کے حالات ہمارے پاس لانا ہے، لہٰذا میں واپس پلٹ گیا اور جا کر تمام حالات عرض کئے۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا:

”خداوندا تو کتاب کو نازل کرنے والا اور سریع الحساب ہے، تو خود ہی احزاب کو نیست و نابود فرما خدایا انہیں تباہ کر دے اور ان کے پاؤں نہ جمنے دے“۔

جنگ احزاب قرآن کی روشنی میں

قرآن اس کا ماجرا تفصیل سے بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: ”اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو، اپنے اوپر خدا کی عظیم نعمت کو یاد کرو، اس موقع پر جب کہ عظیم لشکر تمہاری طرف آئے“۔ [1]

”لیکن ہم نے ان پر آندھی اور طوفان بھیجے اور ایسے لشکر جنہیں تم نہیں دیکھ رہے تھے اور اس ذریعہ سے ہم نے ان کی

---

[1] سورہ احزاب آیت 9

سرکوبی کی اور انہیں تتر بتر کر دیا“۔[1]

”نہ دکھنے والے لشکر“ سے مراد جو رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت کے لئے آئے تھے، وہی فرشتے تھے جن کا مومنین کی جنگ بدر میں مدد کرنا بھی صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں آیا ہے لیکن جیسا (کہ سورہ انفال کی آیہ 9 کے ذیل میں) ہم بیان کر چکے ہیں ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ نظر نہ آنے والا فرشتوں کا خدائی لشکر باقاعدہ طور پر میدان میں داخل ہوا اور وہ جنگ میں بھی مصروف ہوا ہو بلکہ ایسے قرائن موجود ہیں جو واضح کرتے ہیں کہ وہ صرف مومنین کے حوصلے بلند کرنے اور ان کا دل بڑھانے کے لئے نازل ہوئے تھے۔

بعد والی آیت جو جنگ احزاب کی بحرانی کیفیت، دشمنوں کی عظیم طاقت اور بہت سے مسلمانوں کی شدید پریشانی کی تصویر کشی کرتے ہوئے یوں کہتی ہے ”اس وقت کو یاد کرو جب وہ تمہارے شہر کے اوپر اور نیچے سے داخل ہو گئے، اور مدینہ کو اپنے محاصرہ میں لے لیا) اور اس وقت کو جب آنکھیں شدت وحشت سے پتھرا گئی تھیں اور جاں بلب ہو گئے تھے اور خدا کے بارے میں طرح طرح کی بدگمانیاں کرتے تھے“۔[2]

اس کیفیت سے مسلمانوں کی ایک جماعت کے لئے غلط قسم کے گمان پیدا ہو گئے تھے کیونکہ وہ ابھی تک ایمانی قوت کے لحاظ سے کمال کے مرحلہ تک نہیں پہنچ پائے تھے یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں بعد والی آیت میں کہتا ہے کہ وہ شدت سے متزلزل ہوئے۔

شاید ان میں سے کچھ لوگ گمان کرتے تھے کہ آخر کار ہم شکست کھا جائیں گے اور اس قوت وطاقت کے ساتھ دشمن کا لشکر کامیاب ہو جائے گا، اسلام کے زندگی کے آخری دن آ پہنچے ہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کامیابی کا وعدہ بھی پورا ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔

البتہ یہ افکار اور نظریات ایک عقیدہ کی صورت میں نہیں بلکہ ایک وسوسہ کی شکل میں بعض لوگوں کے دل کی گہرائیوں میں پیدا ہو گئے تھے بالکل ویسے ہی جیسے جنگ احد کے سلسلہ میں قرآن مجید ان کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے: ”یعنی تم میں سے ایک گروہ جنگ کے ان بحرانی لمحات میں صرف اپنی جان کی فکر میں تھا اور دور جاہلیت کے گمانوں کی مانند خدا کے بارے میں بدگمانی کر رہے تھے“۔

یہی وہ منزل تھی کہ خدائی امتحان کا تنور سخت گرم ہوا جیسا کہ بعد والی آیت کہتی ہے کہ ”وہاں مومنین کو آزمایا گیا اور وہ سخت دہل گئے تھے“۔[3]

فطری امر ہے کہ جب انسان فکری طوفانوں میں گھر جاتا ہے تو اس کا جسم بھی ان طوفانوں سے لاتعلق نہیں رہ سکتا، بلکہ وہ بھی اضطراب اور تزلزل کے سمندر میں ڈوبنے لگتا ہے، ہم نے اکثر دیکھا ہے کہ جب لوگ ذہنی طور پر پریشان ہوتے ہیں تو وہ جہاں بھی بیٹھتے ہیں اکثر بے چین رہتے ہیں، ہاتھ ملتے کاپنتے رہتے ہیں اور اپنے اضطراب اور پریشانیوں کو اپنی حرکات سے ظاہر کرتے رہتے ہیں۔

اس شدید پریشانی کے شواہد میں سے ایک یہ بھی تھا جسے مؤرخین نے بھی نقل کیا ہے کہ عرب کے پانچ مشہور جنگجو پہلوان جن کا سردار عمرو بن عبدود تھا، جنگ کا لباس پہن کر اور مخصوص غرور اور تکبر کے ساتھ میدان میں آئے اور ”ھل من مبارز“ (ہے کوئی

[1] سورہ احزاب آیت 9

[2] سورہ احزاب آیت 10

[3] سورہ احزاب آیت 11

مقابلہ کرنے والا) کی آواز لگانے لگے، خاص کر عمرو بن عبدود رجز پڑھ کر جنت اور آخرت کا مذاق اڑا رہا تھا، وہ کہہ رہا تھا کہ ''کیا تم یہ نہیں کہتے ہو کہ تمہارے مقتول جنت میں جائیں گے؟ تو کیا تم میں سے کوئی بھی جنت کے دیدار کا شوقین نہیں ہے؟'' لیکن اس کے ان نعروں کے برخلاف لشکر اسلام پر بُری طرح کی خاموشی طاری تھی اور کوئی بھی مقابلہ کی جرائت نہیں رکھتا تھا سوائے علی بن ابی طالب علیہ السلام کے جو مقابلہ کے لئے کھڑے ہوئے اور مسلمانوں کو عظیم کامیابی سے ہم کنار کردیا۔ اس کی تفصیل نکات کی بحث میں آئے گی۔

جی ہاں جس طرح فولاد کو گرم بھٹی میں ڈالتے ہیں تا کہ وہ نکھر جائے اسی طرح اوائل کے مسلمان بھی جنگ احزاب جیسے معرکوں کی بھٹی میں سے گزریں تا کہ کندن بن کر نکلیں اور حوادثات کے مقابل میں جرأت اور پامردی کا مظاہرہ کرسکیں۔

منافقین اور ضعیف الایمان جنگ احزاب میں

ہم کہہ چکے ہیں کہ امتحان کی بھٹی جنگ احزاب میں گرم ہوئی اور سب کے سب اس عظیم امتحان میں گھر گئے۔ واضح رہے کہ اس قسم کے بحرانی دور میں جو لوگ عام حالات میں ظاہراً ایک ہی صف میں قرار پاتے ہیں، کئی صفوں میں بٹ جاتے ہیں، یہاں پر بھی مسلمان مختلف گروہوں میں بٹ گئے تھے، ایک جماعت سچے مومنین کی تھی، ایک گروہ ہٹ دھرم اور سخت قسم کے منافقین کا تھا اور ایک گروہ اپنے گھر بار، زندگی اور بھاگ کھڑے ہونے کی فکر میں تھا، اور کچھ لوگوں کی یہ کوشش تھی کہ دوسرے لوگوں کو جہاد سے روکیں۔ اور ایک گروہ اس کوشش میں مصروف تھا کہ منافقین کے ساتھ اپنے رشتہ کو محکم کریں۔

خلاصہ یہ کہ ہر شخص نے اپنے باطنی اسرار اس عجیب ''عرصہ محشر'' اور ''یوم البروز'' میں آشکار کردیئے۔

میں نے ایران، روم اور مصر کے محلوں کو دیکھا ہے

خندق کھودنے کے دوران میں جب ہر ایک مسلمان خندق کے ایک حصہ کے کھودنے میں مصروف تھا تو ایک مرتبہ پتھر کے ایک سخت اور بڑے ٹکڑے سے ان کا سامنا ہوا کہ جس پر کوئی ہتھوڑا کارگر ثابت نہیں ہو رہا تھا، حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس خندق میں تشریف لے گئے اور اس پتھر کے پاس کھڑے ہو کر اور ہتھوڑا لے کر پہلی مرتبہ ہی اس کے دل پر ایسی مضبوط چوٹ لگائی کہ اس کا کچھ حصہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور اس سے ایک چمک نکلی جس پر آپؐ نے فتح و کامرانی کی تکبیر بلند کی۔ آپؐ کے ساتھ دوسرے مسلمانوں نے بھی تکبیر کہی۔

آپؐ نے ایک اور سخت چوٹ لگائی تو اس کا کچھ حصہ اور ٹوٹا اور اس سے بھی چمک نکلی۔ اس پر بھی سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر کہی اور مسلمانوں نے بھی آپؐ کے ساتھ تکبیر کہی آخر کار آپؐ نے تیسری چوٹ لگائی جس سے بجلی کوندی اور باقی ماندہ پتھر بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر تکبیر کہی اور مسلمانوں نے بھی ایسا ہی کیا، اس موقع پر جناب سلمان فارسی نے اس ماجرا کے بارے میں دریافت کیا تو سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''پہلی چمک میں میں نے ''حیرۃ'' کی سرزمین اور ایران کے بادشاہوں کے قصر و محلات دیکھے ہیں اور جبرائیل نے مجھے بشارت دی ہے کہ میری امت ان پر کامیابی حاصل کرے گی، دوسری چمک میں ''شام اور روم'' کے سرخ رنگ کے محلات نمایاں ہوئے اور جبرائیل نے پھر بشارت دی کہ میری امت ان پر فتح یاب ہو گی، تیسری چمک میں مجھے ''صنعا و یمن'' کے قصر و محلات دکھائی دیئے ور جبرائیل نے نوید دی کہ میری امت ان پر بھی کامیابی حاصل کرے گی، اے مسلمانو تمہیں خوشخبری ہو''۔

منافقین نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا: کیسی عجیب وغریب باتیں کر رہے ہیں اور کیا ہی باطل اور بے بنیاد پروپیگنڈا ہے؟ مدینہ سے حیرہ اور مدائن کسریٰ کو تو دیکھ کر تمہیں ان کے فتح ہونے کی خبر دیتا ہے حالانکہ اس وقت تم چند عربوں کے چنگل میں گرفتار ہو (اور خود دفاعی پوزیشن اختیار کئے ہوئے ہو) تم تو ''بیت الخذر'' (خوف کی جگہ) تک نہیں جا سکتے (کیا ہی خیال خام اور گمان باطل ہے)۔

الٰہی وحی نازل ہوئی اور کہا:

''یہ منافق اور دل کے مریض کہتے ہیں کہ خدا اور اس کے رسول نے سوائے دھوکہ وفریب کے ہمیں کوئی وعدہ نہیں دیا، (وہ پروردگار کی بے انتہا قدرت سے بے خبر ہیں'')۔[1]

اس وقت اس قسم کی بشارت اور خوشخبری سوائے آگاہ اور باخبر مومنین کی نظر کے علاوہ (باقی لوگوں کے لئے) دھوکا اور فریب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھی لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکوتی آنکھیں ان آتشیں چنگاریوں کے درمیان سے جو کدالوں اور ہتھوڑوں کے خندق کھودنے کے لئے زمین پر لگنے سے نکلتی تھیں، ایران روم اور یمن کے بادشاہوں کے قصر ومحلات کے دروازوں کے کھلنے کو دیکھ سکتے تھے اور آئندہ کے اسرار ورموز سے پردے بھی اٹھا سکتے تھے۔

منافقانہ عذر

جنگ احزاب کے واقعہ کے سلسلے میں قرآن مجید منافقین اور دل کے بیمار لوگوں میں سے ایک خطرناک گروہ کے حالات تفصیل سے بیان کرتا ہے جو دوسروں کی نسبت زیادہ خبیث اور آلودہ گناہ ہیں، چنانچہ کہتا ہے: ''اور اس وقت کو بھی یاد کرو، جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا: اے یثرب (مدینہ) کے رہنے والو یہاں تمہارے رہنے کی جگہ نہیں ہے، اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاؤ''۔[2]

خلاصہ یہ کہ دشمنوں کے اس انبوہ کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہوسکتا، اپنے آپ کو معرکہ کارزار سے نکال کر لے جاؤ اور اپنے آپ کو ہلاکت کے اور بیوی بچوں کو قید کے حوالے نہ کرو۔ اس طرح سے وہ چاہتے تھے کہ ایک طرف سے تو وہ انصار کے گروہ کو لشکر اسلام سے جدا کرلیں اور دوسری طرف ''انہیں منافقین کا ٹولہ جن کے گھر مدینہ میں تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت مانگ رہے تھے کہ وہ واپس چلے جائیں اور اپنی اس واپسی کے لئے حیلے بہانے پیش کررہے تھے، وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ہمارے گھروں کے در و دیوار ٹھیک نہیں ہیں حالانکہ ایسا نہیں تھا، اس طرح سے وہ میدان کو خالی چھوڑ کر فرار کرنا چاہتے تھے''۔[3]

منافقین اس قسم کا عذر پیش کر کے یہ چاہتے تھے کہ وہ میدان جنگ چھوڑ کر اپنے گھروں میں جا کر پناہ لیں۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ قبیلہ ''بنی حارثہ'' نے کسی شخص کو حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور کہا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں اور انصار میں سے کسی کا گھر بھی ہمارے گھروں کی طرح نہیں اور ہمارے اور قبیلہ ''غطفان'' کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہے جو مدینہ کی مشرقی جانب سے حملہ آور ہو رہے ہیں، لہٰذا اجازت دیجئے تاکہ ہم اپنے گھروں کو پلٹ جائیں اور اپنے بیوی بچوں کا دفاع کریں تو سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اجازت عطا فرمادی۔

---

[1] سورہ احزاب آیت 12

[2] سورہ احزاب آیت 12

[3] سورہ احزاب آیت 13

جب یہ بات انصار کے سردار ''معد بن معاذ'' کے گوش گذار ہوئی تو انھوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کی خدمت میں عرض کیا ''سرکار انہیں اجازت نہ دیجئے، بخدا آج تک جب بھی کوئی مشکل درپیش آئی تو ان لوگوں نے یہی بہانہ تراشا، یہ جھوٹ بولتے ہیں''۔ [۱]

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ واپس آجائیں۔ [۲]

قرآن میں خداوند عالم اس گروہ کے ایمان کی کمزوری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ''وہ اسلام کے اظہار میں اس قدر ضعیف اور ناتواں ہیں کہ اگر دشمن مدینہ کے اطراف وجوانب سے اس شہر میں داخل ہو جائیں اور مدینہ کو فوجی کنٹرول میں لے کر انہیں پیش کش کریں کہ کفر وشرک کی طرف پلٹ جائیں تو جلدی سے اس کو قبول کرلیں گے اور اس راہ کے انتخاب کرنے میں ذرا سا بھی توقف نہیں کریں گے''۔ [۳]

ظاہر ہے کہ جو لوگ اس قدرت ضعیف، کمزور اور غیر مستقل مزاج ہوں کہ نہ تو دشمن سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہوں اور نہ ہی راہ خدا میں شہادت قبول کرنے کے لئے، ایسے لوگ بہت جلد ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور اپنی راہ فوراً بدل دیتے ہیں۔

پھر قرآن اس منافق ٹولے کو عدالت کے کٹہرے میں لاکر کہتا ہے: ''انھوں نے پہلے سے خدا کے ساتھ عہد و پیمان باندھا ہوا تھا کہ دشمن کی طرف پشت نہیں کریں گے اور اپنے عہد و پیمان پر قائم رہتے ہوئے توحید، اسلام اور پیغمبر کے لئے دفاع میں کھڑے ہوں گے، کیا وہ جانتے نہیں کہ خدا سے کئے گئے عہد و پیمان کے بارے میں سوال کیا جائے گا''۔ [۴]

جب خدا نے منافقین کی نیت کو فاش کر دیا کہ ان کا مقصد گھروں کی حفاظت کرنا نہیں، بلکہ میدان جنگ سے فرار کرنا ہے تو انہیں دو دلیلوں کے ساتھ جواب دیتا ہے۔

پہلے تو پیغمبر ﷺ سے فرماتا ہے: ''کہہ دیجئے کہ اگر موت یا قتل ہونے سے فرار کرتے ہو تو یہ فرار تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہونچائے گا اور تم دنیاوی زندگی کے چند دن سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھا پاؤ گے''۔ [۵]

دوسرا یہ کہ کیا تم جانتے ہو کہ تمہارا سارا انجام خدا کے ہاتھ میں ہے اور تم اس کی قدرت ومشیت کے دائرہ اختیار سے ہرگز بھاگ نہیں سکتے۔

---

[۱] سورہ احزاب آیت 14

[۲] ''یثرب'' مدینہ کا قدیمی نام ہے، جناب رسالت مآب ﷺ کے اس شہر کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے تک اس کا نام ''یثرب'' رہا پھر آہستہ آہستہ اس کا نام ''مدینۃ الرسول'' (پیغمبر کا شہر) پڑ گیا جس کا مخفف ''مدینہ'' ہے۔ اس شہر کے کئی ایک نام اور بھی ہیں۔ سید مرتضی نے ان دو ناموں (مدینہ اور یثرب) کے علاوہ اس شہر کے گیارہ اور نام بھی ذکر کیے ہیں، منجملہ ان کے ''طیبہ''، ''طابہ''، ''سکینہ''، ''محبوبہ''، ''مرحومہ'' اور ''قاصمہ'' ہیں۔ (اور بعض لوگ اس شہر کی زمین کو ''یثرب'' کا نام دیتے ہیں)

چند ایک روایات میں آیا ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ ''اس شہر کو یثرب نہ کہا کرو شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ یثرب اصل میں ''ثرب'' (بروزن حرب) کے مادہ سے ملامت کرنے کے معنی میں ہے اور آپؐ اس قسم کے نام کو اس بابرکت شہر کے لئے پسند نہیں فرماتے تھے''۔

بہر حال منافقین نے اہل مدینہ کو ''یا اہل یثرب'' کے عنوان سے جو خطاب کیا ہے وہ بلا وجہ نہیں ہے اور شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کو اس نام سے نفرت ہے، یا چاہتے تھے کہ اسلام اور ''مدینۃ الرسول'' کے نام کو تسلیم نہ کرنے کا اعلان کریں۔ یا لوگوں کو زمانہ جاہلیت کی یاد تازہ کرائیں۔

[۳] سورہ احزاب آیت 14

[۴] سورہ احزاب آیت 15

[۵] سورہ احزاب آیت 16

’’اے پیغمبر ﷺ ان سے کہہ دیجئے: کون شخص خدا کے ارادہ کے مقابلہ میں تمہاری حفاظت کرسکتا ہے، اگر وہ تمہارے لئے مصیبت یا رحمت چاہتا ہے‘‘۔[1]

روکنے والا ٹولہ

اس کے بعد قرآن مجید منافقین کے اس گروہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جو جنگ احزاب کے میدان سے خود کنارہ کش ہوا اور دوسروں کو بھی کنارکشی کی دعوت دیتا ہو فرماتا ہے: ’’خدا تم میں سے اس گروہ کو جانتا ہے جو کوشش کرتے تھے کہ لوگوں کو جنگ سے منحرف کردیں، اور اسی طرح سے ان لوگوں کو بھی جانتا ہے جو اپنے بھائیوں سے کہتے تھے کہ ہماری طرف آؤ اور اس خطرناک جنگ سے دستبردار ہو جاؤ‘‘۔

وہی لوگ جو اہل جنگ نہیں ہیں اور سوائے کم مقدار کے اور وہ بھی بطور جبر و اکراہ یا دکھاوے کے؛ جنگ کے لئے نہیں جاتے۔[2]

ہم ایک روایت میں پڑھتے ہیں کہ ایک صحابی رسول کسی ضرورت کے تحت میدان ’’احزاب‘‘ سے شہر میں آیا ہوا تھا اس نے اپنے بھائی کو دیکھا کہ اس نے اپنے سامنے روٹی، بھنا ہوا گوشت اور شراب رکھے ہوئے تھے، تو صحابی نے کہا تم تو یہاں عیش وعشرت میں مشغول ہو اور رسول خدا نیزوں اور تلواروں کے درمیان مصروف پیکار ہیں اس نے جواب میں کہا، اے بے وقوف: تم بھی ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ اور مزے اڑاؤ اس نے کہا: اس خدا کی قسم جس کی محمدؐ کھاتا ہے وہ اس میدان سے ہرگز پلٹ کر واپس نہیں آئے گا اور یہ عظیم لشکر جو جمع ہو چکا ہے اسے اور اس کے ساتھیوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔

یہ سن کر وہ صحابی کہنے لگے: تو بکتا ہے، خدا کی قسم میں ابھی رسول اللہ کے پاس جا کر تمہاری اس گفتگو سے باخبر کرتا ہوں، چنانچہ انھوں نے بارگاہ رسالت میں پہنچ کر تمام ماجرا بیان کیا۔

وہ ہرگز ایمان نہیں لائے

قرآن فرماتا ہے: ’’ان تمام رکاوٹوں کا باعث یہ ہے کہ وہ تمہاری بابت تمام چیزوں میں بخیل ہیں‘‘۔[3]

نہ صرف میدان جنگ میں جان قربان کرنے میں بلکہ وسائل جنگ مہیا کرنے کے لئے مالی امداد اور خندق کھودنے کے لئے جسمانی امداد حتیٰ کہ فکری امداد مہیا کرنے میں بھی بخل سے کام لیتے ہیں، ایسا بخل جو حرص کے ساتھ ہوتا ہے اور ایسا حرص جس میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

ان کے بخل اور ہر قسم کے ایثار سے دریغ کرنے کے بیان کے بعد ان کے ان دوسرے اوصاف کو جو ہر عہد اور ہر دور کے تمام منافقین کے لئے تقریباً عمومیت کا درجہ رکھتے ہیں بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: ’’جس وقت خوفناک اور بحرانی لمحات آتے ہیں تو وہ اس قدر بزدل اور ڈرپوک ہیں کہ آپ دیکھیں گے کہ وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں حالانکہ ان کی آنکھوں میں ڈھیلے بے اختیار گردش کررہے

---

[1] سورہ احزاب آیت 17

[2] سورہ احزاب آیت 18

[3] سورہ احزاب آیت 19

ہیں، اس شخص کی طرح جو جاں کنی میں مبتلا ہو"۔ [1]

چونکہ وہ صحیح ایمان کے مالک نہیں ہیں اور نہ ہی زندگی میں ان کا کوئی مستحکم سہارا ہے، جس وقت کسی سخت حادثہ سے دوچار ہوتے ہیں تو وہ لوگ بالکل اپنا توازن کھو بیٹھتے ہیں جیسے ان کی روح قبض ہی ہوجائے گی۔

پھر مزید کہتا ہے: "لیکن یہی لوگ جس وقت طوفان رک جاتا ہے اور حالات معمول پر آجاتے ہیں تو تمہارے پاس یہ توقع لے کر آتے ہیں کہ گویا جنگ کے اصلی فاتح یہی ہیں اور قرض خواہوں کی طرح پکار پکار کر سخت اور درشت الفاظ کے ساتھ مال غنیمت سے اپنے حصہ کا مطالبہ کرتے ہیں اور اس میں سخت گیر، بخیل اور حریص ہیں"۔ [2]

آخر میں ان کی آخری صفت کی طرف جو درحقیقت میں ان کی تمام بدبختیوں کی جڑ اور بنیاد ہے، اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے "وہ ہرگز ایمان نہیں لائے۔ اور اسی بنا پر خدا نے ان کے اعمال نیست و نابود کردیئے ہیں کیونکہ ان کے اعمال خدا کے لئے نہیں ہیں اور ان میں اخلاص نہیں پایا جاتا۔" [3]

"وہ اس قدر وحشت زدہ ہوچکے ہیں کہ احزاب اور دشمن کے لشکروں کے پراگندہ ہوجانے کے بعد بھی یہ تصور کرتے ہیں کہ ابھی وہ نہیں گئے"۔ [4]

وحشت ناک اور بھیانک تصور نے ان کی فکر پر سایہ کررکھا ہے گویا کفر کی افواج پے درپے ان کی آنکھوں کے سامنے قطار در قطار چلی جارہی ہیں، ننگی تلواریں اور نیزے تانے ان پر حملہ کررہی ہیں۔

یہ بزدل جھگڑالو، ڈرپوک منافق اپنے سائے سے بھی ڈرتے ہیں، جب کسی گھوڑے کے ہنہنانے یا کسی اونٹ کے بلبلانے کی آواز سنتے ہیں تو مارے خوف کے لرزنے لگتے ہیں کہ شاید احزاب کے لشکر واپس آرہے ہیں۔

اس کے بعد کہتا ہے: "اگر احزاب دوبارہ پلٹ کر آجائے تو وہ اس بات پر تیار ہیں کہ بیابان کا رخ کرلیں اور بادیہ نشین بدووں کے درمیان منتشر ہوکر پنہاں ہوجائیں ہاں، ہاں وہ چلے جائیں اور وہاں جا کر رہیں اور ہمیشہ تمہاری خبروں کے جویا رہیں"۔ [5]

ہر مسافر سے تمہاری ہر ہر پل کی خبر کے جویا رہیں ایسا نہ ہو کہ کہیں احزاب ان کی جگہ کے قریب آجائیں اور ان کا سایہ ان کے گھر کی دیواروں پر آپڑے اور تم پر یہ احسان جتلائیں کہ وہ ہمشہ تمہاری حالت اور کیفیت کے بارے میں فکر مند تھے۔

اور آخری جملہ میں کہتا ہے:

"بالفرض وہ فرار بھی نہ کرتے اور تمہارے درمیان ہی رہتے، پھر بھی سوائے تھوڑی سی جنگ کے وہ کچھ نہ کرپاتے"۔ [6]

نہ ان کے جانے سے تم پریشان ہونا اور نہ ہی ان کے موجود رہنے سے خوشی منانا، کیونکہ نہ تو ان کی قدر و قیمت ہے اور نہ ہی کوئی خاص حیثیت، بلکہ ان کا نہ ہونا ان کے ہونے سے بہتر ہے۔

---

[1] سورہ احزاب آیت 19
[2] سورہ احزاب آیت 19
[3] سورہ احزاب آیت 19
[4] سورہ احزاب آیت 20
[5] سورہ احزاب آیت 20
[6] سورہ احزاب آیت 20

ان کی یہی تھوڑی سی جنگ بھی خدا کے لئے نہیں بلکہ لوگوں کی سرزنش اور ملامت کے خوف اور ظاہر داری یا ریا کاری کے لئے ہے کیونکہ اگر خدا کے لئے ہوتی تو اس کی کوئی حد وانتہا نہ ہوتی اور جب تک جان میں جان ہوتی وہ اس میدان میں ڈٹے رہتے۔

جنگ احزاب میں سچے مومنین کا کردار

اب تک مختلف گروہوں اور ان کے جنگ احزاب میں کارناموں کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی جن میں ضعیف الایمان مسلمان، منافق، کفر ونفاق کے سرغنہ اور جہاد سے روکنے والے شامل ہیں۔

قرآن مجید اس گفتگو کے آخر میں ''سچے مؤمنین'' ان کے بلند حوصلوں، پامردیوں، جرأتوں اور اس عظیم جہاد میں ان کی دیگر خصوصیات کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔

اس بحث کی تمہید کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے شروع کرتا ہے جو مسلمانوں کے پیشوا، سردار اور اسوہ کامل تھے، خدا کہتا ہے: ''تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اور (میدان احزاب میں) ان کا کردار ایک اچھا نمونہ اور اسوہ ہے، ان لوگوں کے لئے جو رحمت خدا اور روز قیامت کی امید رکھتے ہیں اور خدا کو بہت زیادہ یاد کرتے ہیں۔''[1]

تمہارے لئے بہترین اسوہ اور نمونہ، نہ صرف اس میدان میں بلکہ ساری زندگی پیغمبر اسلام کی ذات والا صفات ہے آپ کے بلند حوصلے، صبر واستقامت، پائمردی، زیرکی، دانائی، خلوص، خدا کی طرف توجہ، حادثات پر کنٹرول، مشکلات اور مصائب کے آگے سر تسلیم خم نہ کرنا، غرضکہ ان میں سے ہر ایک چیز مسلمانوں کے لئے نمونہ کامل اور اسوہ حسنہ ہے۔

وہ ایسا عظیم ناخدا ہے کہ جب اس کی کشتی سخت ترین طوفانوں میں گھر جاتی ہے تو ذرہ برابر بھی کمزوری، گھبراہٹ اور سراسیمگی کا مظاہرہ نہیں کرتا وہ کشتی کا ناخدا بھی ہے اور اس کا قابل اطمینان لنگر اور چراغ ہدایت بھی وہ اس میں بیٹھنے والوں کے لئے آرام وسکون کا باعث بھی ہے اور ان کے لئے راحت جان بھی۔

وہ دوسرے مؤمنین کے ساتھ مل کر کدال ہاتھ میں لیتا ہے اور خندق کھودتا ہے، بیلچے کے ساتھ پتھر اکھاڑ کر خندق سے باہر ڈال آتا ہے اپنے اصحاب کے حوصلے بڑھانے اور ٹھنڈے دل سے سوچنے کے لئے ان سے مزاح بھی کرتا ہے ان کے قلب وروح کو گرمانے کے حربی اور جوش وجذبہ دلانے والے اشعار پڑھ کر انہیں ترغیب بھی دلاتا ہے، ذکر خدا کرنے پر مسلسل اصرار کرتا ہے اور انہیں درخشاں مستقبل اور عظیم فتوحات کی خوشخبری دیتا ہے انہیں منافقوں کی سازشوں سے متنبہ کرتا ہے اور ان سے ہمیشہ خبردار رہنے کا حکم دیتا ہے۔

صحیح حربی طریقوں اور بہترین فوجی چالوں کو انتخاب کرنے سے ایک لحہ بھی غافل نہیں رہتا اس کے باوجود مختلف طریقوں سے دشمن کی صفوں میں شگاف ڈالنے سے بھی نہیں چوکتا۔

جی ہاں: وہ مومنین کا بہترین مقتدا ہے اور ان کے لئے اسوہ حسنہ ہے اس میدان میں بھی اور دوسرے تمام میدانوں میں بھی۔

مومنین کے صفات

اس مقام پر مومنین کے ایک خاص گروہ کی طرف اشارہ ہے:

''جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں سب سے زیادہ پیش قدمی کرتے تھے وہ خدا سے کئے ہوئے اپنے اس عہد و پیمان

[1] سورہ احزاب آیت 21

پر قائم تھے کہ وہ آخری سانس اور آخری قطرہ خون تک فدا کاری اور قربانی کے لئے تیار ہیں فرمایا گیا ہے مومنین میں ایسے بھی ہیں جو اس عہد و پیمان پر قائم ہیں جو انھوں نے خدا سے باندھا ہے ان میں سے کچھ نے تو میدان جہاد میں شربت شہادت نوش کر لیا ہے اور بعض انتظار میں ہیں اور انھوں نے اپنے عہد و پیمان میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں کی''۔[1]

اور نہ ہی ان کے قدموں میں لغزش پیدا ہوئی ہے۔

مفسرین کے درمیان اختلاف ہے کہ یہ آیت کن افراد کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اہل سنت کے مشہور عالم، حاکم ابو القاسم جسکانی سند کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

آیہ ''رجال صدقوا ما عاهدوا الله علیه'' ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے اور بخدا میں ہی وہ شخص ہوں جو (شہادت کا) انتظار کر رہا ہوں (اور قبل از ایں ہم میں حمزہ سید الشہداء علیہ السلام جیسے لوگ شہادت نوش کر چکے ہیں) اور میں نے ہرگز اپنی روش اور اپنے طریقہ کار میں تبدیلی نہیں کی اور اپنے کئے ہوئے عہد و پیمان پر قائم ہوں۔

جنگ بنی قریظہ

مدینہ میں یہودیوں کے تین مشہور قبائل رہتے تھے: بنی قریظہ، بنی النضیر اور بنی قینقاع۔

تینوں گروہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ کر رکھا تھا کہ آپؐ کے دشمنوں کا ساتھ نہیں دیں گے، ان کے لئے جاسوسی نہیں کریں گے، اور مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر امن و آشتی کی زندگی گزاریں گے، لیکن قبیلہ بنی قینقاع نے ہجرت کے دوسرے سال اور قبیلہ بنی نضیر نے ہجرت کے چوتھے سال مختلف حیلوں بہانوں سے اپنا معاہدہ توڑ ڈالا، اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے آخر کار ان کی مزاحمت اور مقابلہ کی سکت ختم ہو گئی اور وہ مدینہ سے باہر نکل گئے۔

بنی قینقاع ''اذرعات'' شام کی طرف چلے گئے اور بنی نضیر کے کچھ لوگ تو خیبر کی طرف اور کچھ شام کی طرف چلے گئے۔

اسی بناء پر ہجرت کے پانچویں سال جب کہ جنگ احزاب پیش آئی تو صرف قبیلہ بنی قریظہ مدینہ میں باقی رہ گیا تھا، وہ بھی اس میدان میں اپنے معاہدہ کو توڑ کر مشرکین عرب کے ساتھ مل گئے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں تلواریں سونت لیں۔

جب جنگ احزاب ختم ہو گئی اور قریش، بنی غطفان اور دیگر قبائل عرب بھی رسوا کن شکست کے بعد مدینہ سے پلٹ گئے تو اسلامی روایات کے مطابق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر لوٹ آئے اور جنگی لباس اتار کر نہانے دھونے میں مشغول ہو گئے تو اس موقع پر جبرائیل حکم خدا سے آپ پر نازل ہوئے اور کہا: کیوں آپ نے ہتھیار اتار دیئے ہیں جبکہ فرشتے ابھی تک آمادہ پیکار ہیں آپ فوراً بنی قریظہ کی طرف جائیں اور ان کا کام تمام کر دیں۔

واقعاً بنی قریظہ کا حساب چکانے کے لئے اس سے بہتر کوئی اور موقع نہیں تھا مسلمان اپنی کامیابی پر خوش خرم تھے، بنی قریظہ شکست کی شدید وحشت میں گرفتار تھے اور قبائل عرب میں سے ان کے دوست اور حلیف تھکے ماندے اور بہت ہی پست حوصلوں کے ساتھ شکست خوردہ حالت میں اپنے اپنے شہروں اور علاقوں میں جا چکے تھے اور کوئی نہیں تھا جو ان کی حمایت کرے۔

بہر حال منادی نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ندا دی کہ نماز عصر پڑھنے سے پہلے بنی قریظہ کی طرف چل پڑو مسلمان بڑی تیزی کے ساتھ ہی بنی قریظہ کے محکم و مضبوط قلعوں کو مسلمانوں نے اپنے محاصرے میں لے لیا۔

---

[1] سورہ احزاب آیت 23

پچیس دن تک محاصرہ جاری رہا چنانچہ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے بنی قریظہ کے قلعوں پر حملہ کرنے کے لئے اتنی جلدی کی کہ بعض مسلمان نمازِ عصر سے غافل ہو گئے کہ مجبوراً بعد میں قضا کی، خداوند عالم نے ان کے دلوں میں سخت رعب و دبدبہ طاری ہو گیا۔

تین تجاویز

''کعب بن اسد'' کا شمار یہودیوں کے سرداروں میں ہوتا تھا اس نے اپنی قوم سے کہا: مجھے یقین ہے کہ محمد ہمیں اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک ہم جنگ نہ کریں لہٰذا میری تین تجاویز ہیں، ان میں سے کسی ایک کو قبول کرلو، پہلی تجویز تو یہ ہے کہ اس شخص کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس پر ایمان لے آؤ اور اس کی پیروی اختیار کرلو کیونکہ تم پر ثابت ہو چکا ہے کہ وہ خدا کا پیغمبر ہے اور اس کی نشانیاں تمہاری کتابوں میں پائی جاتی ہیں تو اس صورت میں تمہارے مال، جان، اولاد اور عورتیں محفوظ ہو جائیں گی۔

وہ کہنے لگے کہ ہم ہرگز حکم توریت سے دست بردار نہیں ہوں گے اور نہ ہی اس کا متبادل اختیار کریں گے۔

اس نے کہا: اگر یہ تجویز قبول نہیں کرتے تو پھر آؤ اور اپنے بچوں اور عورتوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر ڈالو تا کہ ان کی طرف سے آسودہ خاطر ہو کر میدان جنگ میں کود پڑیں اور پھر دیکھیں کہ خدا کیا چاہتا ہے؟ اگر ہم مارے گئے تو اہل و عیال کی جانب سے ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی اور اگر کامیاب ہو گئے تو پھر عورتیں بھی بہت بچے بھی بہت۔

وہ کہنے لگے کہ ہم ان بے چاروں کو اپنے ہی ہاتھوں سے قتل کر دیں؟ ان کے بعد ہمارے لئے زندگی کی قدر و قیمت کیا رہ جائے گی؟

کعب بن اسد نے کہا: اگر یہ بھی تم نے قبول نہیں کیا تو آج چونکہ ہفتہ کی رات ہے محمد ﷺ اور اس کے ساتھی یہ خیال کریں گے کہ ہم آج رات حملہ نہیں کریں گے انہیں اس غفلت میں ڈال کر ان پر حملہ کر دیں شاید کامیابی حاصل ہو جائے۔

وہ کہنے لگے کہ یہ کام بھی ہم نہیں کریں گے کیونکہ ہم کسی بھی صورت میں ہفتہ کا احترام پامال نہیں کریں گے۔

کعب کہنے لگا: پیدائش سے لے کر آج تک تمہارے اندر عقل نہیں آسکی۔

اس کے بعد انھوں نے پیغمبر اکرم ﷺ سے بات کی کہ ''ابولبابہ'' کو ان کے پاس بھیجا جائے تا کہ وہ ان سے صلاح مشورہ کر لیں۔

ابولبابہ کی خیانت

جس وقت ابولبابہ ان کے پاس آئے تو یہودیوں کی عورتیں اور بچے ان کے سامنے گریہ و زاری کرنے لگے اس بات کا ان کے دل پر بہت اثر ہوا اس وقت لوگوں نے کہا کہ آپ ہمیں مشورہ دیتے ہیں کہ ہم محمدؐ کے آگے ہتھیار ڈال دیں؟ ابولبابہ نے کہا ہاں اور ساتھ ہی اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا یعنی تم سب کو قتل کر دیں گے۔

ابولبابہ کہتے ہیں، جیسے ہی میں وہاں سے چلا تو مجھے اپنی خیانت کا شدید احساس ہوا پیغمبر اکرم ﷺ کے پاس نہ گیا بلکہ سیدھا مسجد کی طرف چلا اور اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا اور کہا اپنی جگہ سے اس وقت تک حرکت نہیں کروں گا جب تک خدا میری توبہ قبول نہ کر لے۔

سات دن تک اس نے نہ کھانا کھایا نہ پانی پیا اور یونہی بے ہوش پڑا رہا یہاں تک کہ خدا نے اس کی توبہ قبول کر لی، جب یہ خبر بعض مومنین کے ذریعہ اس تک پہنچی تو اس نے قسم کھائی میں خود اپنے کو اس ستون سے نہیں کھولوں گا یہاں تک کہ پیغمبر ﷺ آ کر

کھولیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے اور اس کو کھولا ابولبابہ نے کہا کہ اونی توبہ کو کامل ہونے کے لئے اپنا سارا مال راہ خدا میں دیتا ہوں۔ اس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: ایک سوم مال کافی ہے،'' آخر کار خدا نے اس کا یہ گناہ اس کی صداقت کی بناء پر بخش دیا''[1]

لیکن آخر کار بنی قریظہ کے یہودیوں نے مجبور ہو کر غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے۔

جناب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سعد بن معاذ تمہارے بارے میں جو فیصلہ کردیں کیا وہ تمہیں قبول ہے؟ وہ راضی ہو گئے۔

سعد بن معاذ نے کہا کہ اب وہ موقع آن پہنچا ہے کہ سعد کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو نظر میں رکھے بغیر حکم خدا بیان کرے۔

سعد نے جس وقت یہودیوں سے دوبارہ یہی اقرار لے لیا تو آنکھیں بند کرلیں اور جس طرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے تھے ادھر رخ کر کے عرض کیا: آپ بھی میرا فیصلہ قبول کریں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ضرور: تو سعد نے کہا: میں کہتا ہوں کہ جو لوگ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ تھے (بنی قریظہ کے مرد) انہیں قتل کر دینا چاہئے، ان کی عورتیں اور بچے قید اور ان کے اموال تقسیم کر دیئے جائیں البتہ ان میں سے ایک گروہ اسلام قبول کرنے کے بعد قتل ہونے سے بچ گیا۔

قرآن اس ماجرا کی طرف مختصر اور بلیغ اشارہ کرتا ہے اور اس ماجرا کا تذکرہ خدا کی ایک عظیم نعمت اور عنایت کے طور پر ہوا ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے:''خدا نے اہل کتاب میں سے ایک گروہ کو جنہوں نے مشرکین عرب کی حمایت کی تھی، ان کے محکم و مضبوط قلعوں سے نیچے کھینچا''۔[2]

یہاں سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہودیوں نے اپنے قلعے مدینہ کے پاس بلند اور اونچی جگہ پر بنا رکھے تھے اور ان کے بلند برجوں سے اپنا دفاع کرتے تھے''انزل''(نیچے لے آیا) کی تعبیر اسی معنی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے:''خدا نے ان کے دلوں میں خوف اور رعب ڈال دیا'':

آخر کار ان کا مقابلہ یہاں تک پہنچ گیا کہ''تم ان میں سے ایک گروہ کو قتل کر رہے تھے اور دوسرے کو اسیر بنا رہے تھے او ران کی زمینیں گھر اور مال ومتاع تمہارے اختیار میں دے دیا''۔[3]

یہ چند جملے جنگ بنی قریظہ کے عام نتائج کا خلاصہ ہیں۔ ان خیانت کاروں میں سے کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے، کچھ قید ہو گئے اور بہت زیادہ مال غنیمت جس میں ان کی زمینیں، گھر، مکانات اور مال ومتاع شامل تھا، مسلمانوں کو ملا۔

صلح حدیبیہ

چھٹی ہجری کے ماہ ذی قعدہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرہ کے قصد سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے، مسلمانوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خواب کی اطلاع مل چکی تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تمام اصحاب کے ساتھ''مسجد الحرام''میں وارد ہونے کو

---

[1] سورہ توبہ آیت 102

[2] سورہ احزاب آیت 26

[3] سورہ احزاب آیات 26،27

خواب میں دیکھا ہے، اور تمام مسلمانوں کو اس سفر میں شرکت کا شوق دلایا، اگر چہ ایک گروہ کنارہ کش ہو گیا، مگر مہاجرین وانصار او ربادیہ نشین اعراب کی ایک کثیر جماعت آپ کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوگئی۔

یہ جمعیت جو تقریباً ایک ہزار چار سو افراد پر مشتمل تھی، سب کے سب نے لباس احرام پہنا ہوا تھا، اور تلوار کے علاوہ جو مسافروں کا اسلحہ شمار ہوتی تھی، کوئی جنگی ہتھیار ساتھ نہ لیا تھا۔

جب مسلمان ''ذی الحلیفہ'' مدینہ کے نزدیک پہنچے، اور بہت اونٹوں کو قربانی کے لئے لے لیا۔

پیغمبرؐ (اور آپؐ کے اصحاب کا) طرز عمل بتا رہا تھا کہ عبادت کے علاوہ کوئی دوسرا قصد نہیں تھا۔ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کے نزدیکی مقام پر پہنچے آپ کو اطلاع ملی کہ قریش نے یہ پختہ ارادہ کرلیا ہے کہ آپؐ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے، یہاں تک کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام ''حدیبیہ'' میں پہنچ گئے (حدیبیہ مکہ سے بیس کلومٹر کے فاصلہ پر ایک بستی ہے، جو ایک کنویں یا درخت کی مناسبت سے اس نام سے موسوم تھی) حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ تم سب اسی جگہ پر رک جاؤ، لوگوں نے عرض کی کہ یہاں تو کوئی پانی نہیں ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معجزانہ طور پر اس کنویں سے جو وہاں تھا، اپنے اصحاب کے لئے پانی فراہم کیا۔

اسی مقام پر قریش اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان سفراء آتے جاتے رہے تاکہ کسی طرح سے مشکل حل ہو جائے، آخر کار ''عروہ ابن مسعود ثقفی'' جو ایک ہوشیار آدمی تھا، قریش کی طرف سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں جنگ کے ارادے سے نہیں آیا اور میرا مقصد صرف خانہ خدا کی زیارت ہے، ضمناً عروہ نے اس ملاقات میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کرنے کا منظر بھی دیکھا، کہ صحابہ آپؐ کے وضو کے پانی کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے نہیں دیتے تھے، جب وہ واپس لوٹا تو اس نے قریش سے کہا: میں قیصر وکسری اور نجاشی کے دربار میں گیا ہوں۔ میں نے کسی سربراہ مملکت کو اس کی قوم کے درمیان اتنا باعظمت نہیں دیکھا، جتنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کو ان کے اصحاب کے درمیان دیکھا ہے۔ اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ جائیں گے تو یہ بہت بڑی غلطی ہوگی، دیکھ لو تمہارا مقابلہ ایسے ایثار کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ یہ تمہارے لئے غور وفکر کا مقام ہے۔

بیعت رضوان

اسی دوران پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر سے فرمایا: کہ وہ مکہ جائیں، اور اشراف قریش کو اس سفر کے مقصد سے آگاہ کریں، عمر نے کہا قریش مجھ سے شدید دشمنی رکھتے ہیں، لہٰذا مجھے ان سے خطرہ ہے، بہتر یہ ہے کہ عثمان کو اس کام کے لئے بھیجا جائے، عثمان مکہ کی طرف آئے، تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ مسلمانوں کے درمیان یہ افواہ پھیل گئی کہ ان کو قتل کر دیا ہے۔ اس موقع پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شدت عمل کا ارادہ کیا اور ایک درخت کے نیچے جو وہاں پر موجود تھا، اپنے اصحاب سے بیعت لی جو ''بیعت رضوان'' کے نام سے مشہور ہوئی، اور ان کے ساتھ عہد و پیمان کیا کہ آخری سانس تک ڈٹیں رہیں گے، لیکن تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ عثمان صحیح وسالم واپس لوٹ آئے اور انکے پیچھے پیچھے قریش نے ''سہیل بن عمر'' کو مصالحت کے لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، لیکن تاکید کی کہ اس سال کسی طرح بھی آپؐ کا مکہ میں ورود ممکن نہیں ہے۔

بہت زیادہ بحث وگفتگو کے بعد صلح کا عہد و پیمان ہوا، جس کی ایک شق یہ تھی کہ مسلمان اس سال عمرہ سے باز رہیں اور آئندہ سال مکہ میں آئیں، اس شرط کے ساتھ کہ تین دن سے زیادہ مکہ میں نہ رہیں، اور مسافرت کے عام ہتھیار کے علاوہ اور کوئی اسلحہ اپنے ساتھ نہ لائیں۔ اور متعدد مواد جن کا دارومدار ان مسلمانوں کی جان ومال کی امنیت پر تھا، جو مدینہ سے مکہ میں وارد ہوں، اور اسی طرح

مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان دس سال جنگ نہ کرنے اور مکہ میں رہنے والے مسلمانوں کے لئے مذہبی فرائض کی انجام دہی بھی شامل کی گئی تھی۔

یہ پیمان حقیقت میں ہر جہت سے ایک عدم تعرض کا عہد و پیمان تھا، جس نے مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان مسلسل اور بار بار کی جنگوں کو وقتی طور پر ختم کر دیا۔

صلح نامہ کی تحریر

''صلح کے عہد و پیمان کا متن'' اس طرح تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ لکھو:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'': سہیل بن عمر نے، جو مشرکین کا نمائندہ تھا، کہا: میں اس قسم کے جملہ سے آشنا نہیں ہوں، لہٰذا ''بسمک اللھم''، لکھو: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لکھو: ''بسمک اللھم''

اس کے بعد فرمایا: لکھو یہ وہ چیز ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سہیل بن عمرو سے مصالحت کی، سہیل نے کہا: ہم اگر آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھتے تو آپ سے جنگ نہ کرتے، صرف اپنا اور اپنے والد کا نام لکھئے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی حرج نہیں لکھو: ''یہ وہ چیز ہے جس پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو سے صلح کی، کہ دس سال تک دونوں طرف سے جنگ متروک رہے گی تا کہ لوگوں کو امن و امان کی صورت دوبارہ میسر آئے''۔

علاوہ ازیں جو شخص قریش میں سے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے (اور مسلمان ہو جائے) اسے واپس کر دیں اور جو شخص ان افراد میں سے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہیں، قریش کی طرف پلٹ جائے تو ان کو واپس لوٹانا ضروری نہیں ہے۔

تمام لوگ آزاد ہیں جو چاہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد و پیمان میں داخل ہو اور جو چاہے قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہو، طرفین اس بات کے پابند ہیں کہ ایک دوسرے سے خیانت نہ کریں، اور ایک دوسرے کی جان و مال کو محترم شمار کریں۔

اس کے علاوہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سال واپس چلے جائیں اور مکہ میں داخل نہ ہوں، لیکن آئندہ سال ہم تین دن کے لئے مکہ سے باہر چلے جائیں گے اور ان کے اصحاب آجائیں، لیکن تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں، (اور مراسم عمرہ کے انجام دے کر واپس چلے جائیں) اس شرط کے ساتھ کہ سوائے مسافر کے ہتھیار یعنی تلوار کے، وہ بھی غلاف میں کوئی ہتھیار ساتھ نہ لائیں۔

اس پیمان پر مسلمانوں اور مشرکین کے ایک گروہ نے گواہی دی اور اس عہد نامہ کے کاتب علی علیہ السلام ابن ابی طالب علیہ السلام تھے۔

مرحوم علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں کچھ اور امور بھی نقل کئے ہیں، منجملہ ان کے یہ کہ:

''اسلام مکہ میں آشکارا ہوگا اور کسی کو کسی مذہب کے انتخاب کرنے پر مجبور نہیں کریں گے، اور مسلمان کو اذیت و آزار نہیں پہنچائیں گے''۔

اس موقع پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ قربانی کے وہ اونٹ جو وہ اپنے ہمراہ لائے تھے، اسی جگہ قربان کر دیں اور اپنے سروں کو منڈوائیں اور احرام سے باہر نکل آئیں، لیکن یہ بات کچھ مسلمانوں کو سخت ناگوار معلوم ہوئی، کیونکہ عمرہ کے مناسک کی انجام دہی کے بغیر ان کی نظر میں احرام سے باہر نکل آنا ممکن نہیں تھا، لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذاتی طور پر خود پیش قدمی کی اور قربانی کے اونٹوں کو

نحر کیا اور احرام سے باہر نکل آئے اور مسلمانوں کو سمجھایا کہ یہ احرام اور قربانی کے قانون میں استثناء ہے جو خدا کی طرف سے قرار دیا گیا ہے۔

مسلمانوں نے جب یہ دیکھا تو سر تسلیم خم کر دیا، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم کامل طور سے مان لیا، اور وہیں سے مدینہ کی راہ لی لیکن غم واندوہ کا ایک پہاڑ ان کے دلوں پر بوجھ ڈال رہا تھا، کیونکہ ظاہر میں یہ سارے کا سارا سفر ایک ناکامی اور شکست تھی، لیکن اسی وقت سورہ فتح نازل ہوئی اور پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح کی بشارت ملی۔

صلح حدیبیہ کے سیاسی، اجتماعی اور مذہبی نتائج

ہجرت کے چھٹے سال (صلح حدیبیہ کے وقت) مسلمانوں کی حالت میں اور دو سال بعد کی حالت میں فرق نمایاں تھا، جب وہ دس ہزار کے لشکر کے ساتھ فتح مکہ کے لئے چلے تا کہ مشرکین کو پیان شکنی کا دندان شکن جواب دیا جائے، چنانچہ انھوں نے فوجوں کو معمولی سی جھڑپ کے بغیر ہی مکہ کو فتح کر لیا، اس وقت قریش اپنے اندر مقابلہ کرنے کی معمولی سی قدرت بھی نہیں رکھتے تھے۔ ایک اجمالی موازنہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ "صلح حدیبیہ" کا عکس العمل کس قدر وسیع تھا۔

خلاصہ کے طور پر مسلمانوں نے اس صلح سے چند امتیاز اور اہم کامیابیاں حاصل کیں، جنکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(1) عملی طور پر مکہ کہ فریب خوردہ لوگوں کو یہ بتا دیا کہ وہ جنگ و جدال کا ارادہ نہیں رکھتے، اور مکہ کے مقدس شہر اور خانہ خدا کے لئے بہت زیادہ احترام کے قائل ہیں، یہی بات ایک کثیر جماعت کے دلوں کے لئے اسلام کی طرف کشش کا سبب بن گئی۔

(2) قریش نے پہلی مرتبہ اسلام اور مسلمانوں کی رسموں کو تسلیم کیا، یہی وہ چیز تھی جو جزیرۃ العرب میں مسلمانوں کی حیثیت کو ثابت کرنے کی دلیل بنی۔

(3) صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان سکون واطمنان سے ہر جگہ آ جا سکتے تھے اور انکا جان و مال محفوظ ہو گیا تھا، اور عملی طور پر مشرکین کے ساتھ قریبی تعلق اور میل جول پیدا ہوا، ایسے تعلقات جس کے نتیجہ میں مشرکین کو اسلام کی زیادہ سے زیادہ پہچان کے ساتھ ان کی توجہ اسلام کی طرف مائل ہوئی۔

(4) صلح حدیبیہ کے بعد اسلام کی نشر واشاعت کے لئے سارے جزیرۃ العرب میں راستہ کھل گیا، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلح طلبی کی شرط نے مختلف اقوام کو، جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اور اسلام کے متعلق غلط نظریہ رکھتے تھے، تجدید نظر پر آمادہ کیا، اور تبلیغاتی نقطۂ نظر سے بہت سے وسیع امکانات ووسائل مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

(5) صلح حدیبیہ نے خیبر کو فتح کرنے اور یہودیوں کے اس سرطانی غدہ کو نکال پھینکنے کے لئے، جو بالفعل اور بالقوہ اسلام او ر مسلمانوں کے لئے ایک اہم خطرہ تھا، راستہ ہموار کر دیا۔

(6) اصولی طور پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ہزار چار سو افراد کی فوج سے ٹکر لینے سے قریش کی وحشت ہوئی جن کے پاس کسی قسم کے اہم جنگی ہتھیار بھی نہیں تھے، اور شرائط صلح کو قبول کر لینا اسلام کے طرفداروں کے دلوں کی تقویت، او ر مخالفین کی شکست کے لئے، جنہوں نے مسلمانوں کو ستایا تھا خود ایک اہم عامل تھا۔

(7) واقعہ حدیبیہ کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے بڑے ملکوں، ایران وروم وحبشہ کے سربراہوں، اور دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کو متعدد خطوط لکھے اور انہیں اسلام کی طرف دعوت دی اور یہ چیز اچھی طرح سے اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ صلح

حدیبیہ نے مسلمانوں میں کس قدر خود اعتمادی پیدا کر دی تھی، کہ نہ صرف جزیرہ عرب میں بلکہ اس زمانہ کی بڑی دنیا میں ان کی راہ کو کھول دیا۔

اب تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے، اس سے یہ بخوبی معلوم کیا جا سکتا ہے، کہ واقعاً صلح حدیبیہ مسلمانوں کے لئے ایک عظیم فتح او رکامیابی تھی، اور تعجب کی بات نہیں ہے کہ قرآن مجید اسے فتح مبین کے عنوان سے یاد کرتا ہے۔

صلح حدیبیہ یا عظیم الشان فتح

جس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ سے واپس لوٹے (اور سورہ فتح نازل ہوئی) تو ایک صحابی نے عرض کیا: ''یہ کیا فتح ہے کہ ہمیں خانہ خدا کی زیارت سے بھی روک دیا ہے اور ہماری قربانی میں بھی رکاوٹ ڈال دی''؟

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تو نے بہت بری بات کہی ہے، بلکہ یہ تو ہماری عظیم ترین فتح ہے کہ مشرکین اس بات پر راضی ہو گئے ہیں کہ تمہیں خشونت آمیز طریقہ سے ٹکر لئے بغیر اپنی سرزمین سے دور کریں، اور تمہارے سامنے صلح کی پیش کش کریں اور ان تمام تکالیف اور رنج و غم کے باوجود جو تمہاری طرف سے انھوں نے اٹھائے ہیں، ترک تعرض کے لئے تمہاری طرف مائل ہوئے ہیں۔

اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ تکالیف جو انھوں نے بدر و احزاب میں جھیلی تھیں انہیں یاد دلائیں، تو مسلمانوں نے تصدیق کی کہ یہ سب سے بڑی فتح تھی اور انھوں نے لاعلمی کی بناء پر یہ فیصلہ کیا تھا۔

''زہری'' جو ایک مشہور تابعی ہے، کہتا ہے: کوئی بھی فتح صلح حدیبیہ سے زیادہ عظیم نہیں تھی، کیونکہ مشرکین نے مسلمانوں کے ساتھ ارتباط اور تعلق پیدا کیا اور اسلام ان کے دلوں میں جا گزیں ہوا، اور تین ہی سال کے عرصہ میں ایک عظیم گروہ اسلام لے آیا او رمسلمانوں میں ان کی وجہ سے اضافہ ہوا''۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سچا خواب

جیسا کہ ہم نے شروع میں عرض کیا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں ایک خواب دیکھا کہ آپ اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کے لئے مناسک ادا کرنے کے لئے مکہ میں داخل ہو رہے ہیں اور اس خواب کو صحابہ کے سامنے بیان کر دیا، وہ سب کے سب شاد و خوش حال ہوئے لیکن چونکہ ایک جماعت یہ خیال کرتی تھی کہ اس خواب کی تعبیر اسی سال پوری ہوگی، تو جس وقت قریش نے مکہ میں ان کے دخیل ہونے کا راستہ حدیبیہ میں ان کے آگے بند کر دیا تو وہ شک و تردید میں مبتلا ہو گئے، کہ کیا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خواب غلط بھی ہو سکتا ہے، کیا اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہم خانہ خدا کی زیارت سے مشرف ہوں؟ پس اس وعدہ کا کیا ہوا؟ اور وہ رحمانی خواب کہاں چلا گیا؟

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں فرمایا: کیا میں نے تمہیں یہ کہا تھا کہ یہ خواب اسی سال پورا ہوگا؟ اسی بارے میں مدینہ کی طرف بازگشت کی راہ میں وحی الٰہی نازل ہوئی اور تاکید کی کہ یہ خواب سچا تھا اور ایسا مسئلہ حتمی و قطعی اور انجام پانے والا ہے۔

ارشاد خداوند عالم ہوتا ہے: ''خدا نے اپنے پیغمبر کو جو کچھ دکھلایا تھا وہ سچ اور حق تھا''۔ [1]

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''انشاء اللہ تم سب کے سب قطعی طور پر انتہائی امن و امان کے ساتھ اس حالت میں کہ تم اپنے سروں کو منڈوائے ہوئے ہوں گے، یا اپنے ناخنوں کو کٹوائے ہوئے ہوں گے مسجد الحرام میں داخل ہوں گے اور کسی شخص سے تمہیں کوئی

[1] سورہ فتح آیت 27

خوف و وحشت نہ ہوگی“۔[1]

مومنین کے دلوں پر نزول سکینہ

یہاں گذشتہ میں جو کچھ بیان ہوا ہے، وہ اتنی عظیم نعمتیں تھیں جو خدا نے فتح مبین و (صلح حدیبیہ) کے سائے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائی تھیں لیکن یہاں پر اس عظیم نعمت کے بارے میں بحث کی جارہی ہے جو اس نے تمام مومنین کو مرحمت فرمائی ہے، فرماتا ہے: ”وہی تو ہے، جس نے مومنین کے دلوں میں سکون و اطمینان نازل کیا، تا کہ ان کے ایمان میں مزید ایمان کا اضافہ کر“ اور سکون و اطمینان ان کے دلوں پر نازل کیوں نہ ہو“ درآنحالیکہ آسمانوں اور زمین کے لشکر خدا کے لئے ہیں اور وہ دانا و حکیم ہے“[2]

یہ سکینہ کیا تھا؟

ضروری ہے کہ ہم پھر ”صلح حدیبیہ“ کی داستان کی طرف لوٹیں اور اپنے آپ کو ”صلح حدیبیہ“ کی فضا میں اور اس فضاء میں جو صلح کے بعد پیدا ہوئی، تصور کریں تا کہ آیت کے مفہوم کی گہرائی سے آشنا ہو سکیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خواب دیکھا تھا (ایک رؤیائے الٰہی و رحمانی) کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ مسجد الحرام میں داخل ہو رہے ہیں اور اس کے بعد خانۂ خدا کی زیارت کے عزم کے ساتھ چل پڑے زیادہ تر صحابہ یہی خیال کرتے تھے کہ اس خواب اور رؤیائے صالحہ کی تعبیر اسی سفر میں واقع ہوگی، حالانکہ مقدر میں ایک دوسری چیز تھی یہ ایک بات۔

دوسری طرف مسلمانوں نے احرام باندھا ہوا تھا، لیکن ان کی توقع کے برخلاف خانہ خدا کی زیارت کی سعادت تک نصیب نہ ہوئی اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دے دیا کہ مقام حدیبیہ میں ہی قربانی کے اونٹوں کو نحر کر دیں، کیونکہ ان کے آداب و سنن کا بھی اور اسلامی احکام و دستور کا بھی یہی تقاضا تھا کہ جب تک مناسک عمرہ کو انجام نہ دے لیں احرام سے باہر نہ نکلیں۔

تیسری طرف حدیبیہ کے صلح نامہ میں کچھ ایسے امور تھے جن کے مطالب کو قبول کرنا بہت ہی دشوار تھا، منجملہ ان کے یہ کہ اگر قریش میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جائے اور مدینہ میں پناہ لے لے تو مسلمان اسے اس کے گھر والوں کے سپرد کر دیں گے، لیکن اس کے برعکس لازم نہیں تھا۔

چوتھی طرف صلح نامہ کی تحریر کے موقع پر قریش اس بات پر تیار نہ ہوئے کہ لفظ ”رسول اللہ“ ”محمدؐ“ کے نام کے ساتھ لکھا جائے، اور قریش کے نمائندہ ”سہیل“ نے اصرار کر کے اسے حذف کرایا، یہاں تک کہ ”بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ“ کے لکھنے کی بھی موافقت نہ کی، اور وہ یہی اصرار کرتا رہا کہ اس کے بجائے ”بسمک اللھم“ لکھا جائے، جو اہل مکہ کی عادت اور طریقہ کے مطابق تھا واضح رہے، کہ ان امور میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ ایک ناگوار امر تھا۔

چہ جائیکہ وہ سب کے سب مجموعی طور سے وہاں جاتے رہے، اسی لئے ضعیف الایمان، لوگوں کے دل ڈگمگا گئے، یہاں تک کہ جب سورہ فتح نازل ہوئی تو بعض نے تعجب کے ساتھ پوچھا: کونسی فتح؟

یہی وہ موقع ہے جب نصرت الٰہی کو مسلمانوں کے شامل حال ہونا چاہئے تھا اور سکون و اطمینان ان کے دلوں میں داخل ہوتا

---

[1] سورہ فتح آیت 27

[2] سورہ فتح آیت 4

تھا نہ یہ کہ کوئی فتور اور کمزوری ان میں پیدا ہوتی تھی۔

بلکہ "لیزدادوا ایمانا مع ایمانھم" کے مصداق کی قوت ایمانی میں اضافہ ہونا چاہئے تھا او پر والی آیت ایسے حالات میں نازل ہوئی۔

ممکن ہے اس سکون میں اعتقادی پہلو ہو اور وہ اعتقاد میں ڈگمگانے سے بچائے، یا اس میں عملی پہلو ہو اس طرح سے کہ وہ انسان کو ثبات قدم، مقاومت اور صبر وشکیبائی بخشے۔

پیچھے رہ جانے والوں کی عذر تراشی

گذشتہ صفحات میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہزار چار سو مسلمانوں کے ساتھ مدینہ سے عمرہ کے ارادہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بادیہ نشین قبائل میں اعلان ہوا کہ وہ بھی سب کے ساتھ چلیں لیکن ضعیف الایمان لوگوں کے ایک گروہ نے اس حکم سے روگردانی کرلی، اور ان کا تجزیہ تھا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان اس سفر سے صحیح وسالم بچ کر نکل آئیں، حالانکہ کفار قریش پہلے ہی ہیجان واشتعال میں تھے، اور انھوں نے احد واحزاب کی جنگیں مدینہ کے قریب مسلمانوں پر تھوپ دی تھیں اب جبکہ یہ چھوٹا سا گروہ بغیر ہتھیاروں کے اپنے پاؤں سے چل کر مکہ کی طرف جا رہا ہے، گویا بھڑوں کے چھتہ کے پاس خود ہی پہنچ رہا ہے، تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ اپنے گھروں کی طرف واپس لوٹ آئیں گے؟

لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ مسلمان کامیابی کے ساتھ اور قابل ملاحظہ امتیازات کے ہمراہ جو انھوں نے صلح حدیبیہ کے عہد و پیمان سے حاصل کئے تھے، صحیح وسالم مدینہ کی طرف پلٹ آئے ہیں اور کسی کے نکسیر تک بھی نہیں چھوٹی، تو انہوں نے اپنی عظیم غلطی کا احساس کیا اور پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوئے تا کہ کسی طرح کی عذر خواہی کر کے اپنے فعل کی توجیہ کریں، اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استغفار کا تقاضا کریں۔

لیکن وحی نازل ہوئی اور ان کے اعمال سے پردہ اٹھا دیا اور انہیں رسوا کیا۔

اس طرح سے منافقین اور مشرکین کی سرنوشت کا ذکر کرنے کے بعد، یہاں پیچھے رہ جانے والے ضعیف الایمان لوگوں کی کیفیت کا بیان ہو رہا ہے تا کہ اس بحث کی کڑیاں مکمل ہو جائیں۔

فرماتا ہے "عنقریب بادیہ نشین اعراب میں سے پیچھے رہ جانے والے عذر تراشی کرتے ہوئے کہیں گے: ہمارے مال ومتاع اور وہاں پر بچوں کی حفاظت نے ہمیں اپنی طرف مائل کر لیا تھا، اور ہم اس پر برکت سفر میں آپ کی خدمت میں نہ رہ سکے، رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے عذر کو قبول کرتے ہوئے ہمارے لئے طلب بخشش کیجئے، وہ اپنی زبان سے ایسی چیز کہہ رہے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہے"۔[1]

وہ تو اپنی توبہ تک میں بھی مخلص نہیں ہیں۔

لیکن ان سے کہہ دیجئے: "خدا کے مقابلہ میں اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے تو کس کی مجال ہے کہ وہ تمہارا دفاع کر سکے،

---

[1] سورہ فتح آیت 11

اور اگر وہ تمہیں کچھ نفع پہنچانا چاہے تو کس میں طاقت ہے، کہ اسے روک سکے‘‘۔[1]

خدا کے لئے یہ بات کسی طرح بھی مشکل نہیں ہے، کہ تمہیں تمہارے امن و امان کے گھروں میں، بیوی بچوں اور مال و منال کے پاس، انواع و اقسام کی بلاؤں اور مصائب میں گرفتار کردے، اور اس کے لئے یہ بھی کوئی مشکل کام نہیں ہے کہ دشمنوں کے مرکز میں اور مخالفین کے گڑھ میں تمہیں ہر قسم کے گزند سے محفوظ رکھے، یہ تمہاری قدرت خدا کے بارے میں جہالت اور بے خبری ہے جو تمہاری نظر میں اس قسم کے انکار کو جگہ دیتی ہے۔

’’ہاں، خدا ان تمام اعمال سے جنھیں تم انجام دیتے ہو باخبر اور آگاہ ہے‘‘[2]

بلکہ وہ تو تمہارے سینوں کے اندر کے اسرار اور تمہاری نیتوں سے بھی اچھی طرح باخبر ہے، وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ عذر اور بہانے واقعیت اور حقیقت نہیں رکھتے اور جو اصل حقیقت اور واقعیت ہے وہ تمہاری شک و تردید، خوف و خطر اور ضعف ایمان ہے، اور یہ عذر تراشیاں خدا سے مخفی نہیں رہتیں، اور یہ ہرگز تمہاری سزا کو نہیں روکیں گی۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن کے لب و لہجہ سے بھی اور تواریخ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ وحی الٰہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ کی طرف بازگشت کے دوران نازل ہوئی، یعنی اس سے پہلے کہ پیچھے رہ جانے والے آئیں اور عذر تراشی کریں، ان کے کام سے پردہ اٹھا دیا گیا اور انہیں رسوا کردیا۔

قرآن اس کے بعد مزید وضاحت کے لئے مکمل طور پر پردے ہٹا کر مزید کہتا ہے: ’’بلکہ تم نے تو یہ گمان کرلیا تھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین ہرگز اپنے گھر والوں کی طرف پلٹ کر نہیں آئیں گے‘‘۔[3]

ہاں، اس تاریخی سفر میں تمہارے شریک نہ ہونے کا سبب، اموال اور بیوی بچوں کا مسئلہ نہیں تھا، بلکہ اس کا اصلی عامل وہ سوء ظن تھا جو تم خدا کے بارے میں رکھتے تھے، اور اپنے غلط اندازوں کی وجہ سے یہ سوچتے تھے کہ یہ سفر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ختم ہونے کا سفر ہے اور کیونکہ شیطانی وسوسہ تمہارے دلوں میں زینت پاچکے تھے، اور یہ تم نے برا گمان کیا۔[4] کیونکہ تم یہ سوچ رہے تھے کہ خدا نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سفر میں بھیج کر انہیں دشمن کے چنگل میں دے دیا ہے، اور ان کی حمایت نہیں کرے گا‘‘ اور انجام کار تم ہلاک ہوگئے‘‘۔[5] اس سے بدتر ہلاکت اور کیا ہوگی کہ تم اس تاریخی سفر میں شرکت، بیعت رضوان، اور دوسرے افتخارات و اعزازات سے محروم رہ گئے، اور اس کے پیچھے عظیم رسوائی تھی اور آئندہ کے لئے آخرت کا دردناک عذاب ہے، ہاں تمہارے دل مردہ تھے اس لئے تم اس قسم کی صورت حال میں گرفتار ہوئے۔

اگر حدیبیہ میں جنگ ہوجاتی

قرآن اسی طرح سے ’’حدیبیہ‘‘ کے عظیم ماجرے کے کچھ دوسرے پہلوؤں کو بیان کرتے ہوئے، اور اس سلسلہ میں دو اہم نکتوں کی طرف اشارہ کررہا ہے۔

---

[1] سورہ فتح آیت 11

[2] سورہ فتح آیت 11

[3] سورہ فتح آیت 11

[4] سورہ فتح آیت 11

[5] سورہ فتح آیت 11

پہلا یہ کہ یہ خیال نہ کرو کہ سرزمین ”حدیبیہ“ میں تمہارے اور مشرکین مکہ کے درمیان جنگ چھڑ جاتی تو مشرکین جنگ میں بازی لے جاتے، ایسا نہیں ہے، اکثر کفار تمہارے ساتھ وہاں جنگ کرتے تو بہت جلدی پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے، اور پھر کوئی ولی ویاور نہ پاتے“۔[1]

اور یہ بات صرف تم تک ہی منحصر نہیں ہے، ”یہ تو ایک سنت الٰہی ہے، جو پہلے بھی یہی تھی اور تم سنت الٰہی میں ہرگز تغیر وتبدیلی نہ پاؤ گے۔[2]

وہ اہم نکتہ جو قرآن خاص طور پر بیان کر رہا ہے، یہ ہے کہ کہیں قریش بیٹھ کر یہ نہ کہنے لگیں، کہ افسوس ہم نے جنگ کیوں نہ کی اور اس چھوٹے سے گروہ کی سرکوبی کیوں نہ کی، افسوس کہ شکار ہمارے گھر میں آیا، اور اس سے ہم نے غفلت برتی، افسوس، افسوس۔

ہرگز ایسا نہیں ہے اگرچہ مسلمان ان کی نسبت تھوڑے تھے، اور وطن اور امن کی جگہ سے بھی دور تھے، اسلحہ بھی ان کے پاس کافی مقدار میں نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود اگر جنگ چھڑ جاتی تو پھر بھی قوت ایمانی اور نصرت الٰہی کی برکت سے کامیابی انہیں ہی حاصل ہوتی، کیا جنگ ”بدر“ اور ”احزاب“ میں ان کی تعداد بہت کم اور دشمن کا ساز وسامان اور لشکر زیادہ نہ تھا؟ ان دونوں مواقع پر دشمن کو کیسے شکست ہوگئی“

بہرحال اس حقیقت کا بیان مومنین کے دل کی تقویت اور دشمن کے دل کی کمزوری اور منافقین کے ”اگر“ اور ”مگر“ کے ختم ہونے کا سبب بن گئی اور اس نے اس بات کی نشاندہی کردی کہ ظاہری طور پر حالات کے برابر نہ ہونے کے باوجود اگر جنگ چھڑ جائے تو کامیابی مخلص مومنین ہی کو نصیب ہوتی ہے۔

دوسرا نکتہ جو قرآن میں بیان ہوا ہے یہ ہے کہ فرماتا ہے ”وہی تو ہے جس نے کفار کے ہاتھ کو مکہ میں تم سے باز رکھا اور تمہارے ہاتھ کو ان سے، یہ اس وقت ہوا جبکہ تمہیں ان پر کامیابی حاصل ہوگئی تھی، اور خدا وہ سب کچھ جو تم انجام دے رہے ہو دیکھ رہا ہے“۔[3]

مفسرین کی ایک جماعت نے اس آیت کے لئے ایک ”شان نزول“ بیان کی ہے اور وہ یہ ہے کہ: مشرکین مکہ نے ”حدیبیہ“ کے واقعہ میں چالیس افراد کو مسلمانوں پر ضرب لگانے کے لئے مخفی طور پر حملہ کے لئے تیار کیا، لیکن ان کی یہ سازش مسلمانوں کی ہوشیاری سے نقش برآب ہوگئی اور مسلمان ان سب کو گرفتار کرکے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آئے، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں رہا کردیا۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ جس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درخت کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے تاکہ قریش کے نمائندہ کے ساتھ صلح کے معاہدہ کو ترتیب دیں، اور علی علیہ السلام لکھنے میں مصروف تھے، تو جوانان مکہ میں سے 30 افراد اسلحہ کے ساتھ آپ پر حملہ آور ہوئے، اور معجزانہ طور پر ان کی یہ سازش بےکار ہوگئی اور وہ سب کے سب گرفتار ہوگئے اور حضرت نے انہیں آزاد کردیا۔

عمرۃ القضاء

”عمرۃ القضاء“ وہی عمرہ ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ سے ایک سال بعد یعنی ہجرت کے ساتویں سال کے ماہ ذی القعدہ میں اسے (ٹھیک ایک سال بعد جب مشرکین نے آپ کو مسجد الحرام میں داخل ہونے سے روکا تھا) اپنے اصحاب کے ساتھ انجام دیا

---

[1] سورہ فتح آیت 22

[2] سورہ فتح آیت 22

[3] سورہ فتح آیت 24

اوراس کا یہ نام اس وجہ سے ہے، چونکہ یہ حقیقت میں گزشتہ سال کی قضاء شمار ہوتا تھا۔اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ: قرارداد حدیبیہ کی شقوں میں سے ایک شق کے مطابق پروگرام یہ تھا کہ مسلمان آئندہ سال مراسم عمرہ اور خانہ خدا کی زیارت کو آزادانہ طور پر انجام دیں،لیکن تین دن سے زیادہ مکہ میں توقف نہ کریں اوراس مدت میں قریش کے سرداراور مشرکین کے جانے پہچانے افرادشہر سے باہر چلے جائیں گے تاکہ ایک تو احتمالی ٹکراؤ سے بچ جائیں اور کنبہ پروری اور تعصب کی وجہ سے جو لوگ مسلمانوں کی عبادت توحیدی کے منظر کو دیکھنے کا یارااور قدرت نہیں رکھتے، وہ بھی اسے نہ دیکھیں)

بعض تواریخ میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کے ساتھ احرام باندھا اور قربانی کے اونٹ لے کر چل پڑے اور ''ظہران'' کے قریب پہنچ گئے اس موقع پر پیغمبر نے اپنے ایک صحابی کو جس کا نام ''محمد بن مسلمہ'' تھا،عمدہ سواری کے گھوڑوں اوراسلحہ کے ساتھ اپنے آگے بھیج دیا، جب مشرکین نے اس پروگرام کو دیکھا تو وہ سخت خوف زدہ ہوئے اورانھوں نے یہ گمان کرلیا کہ حضرت ان سے جنگ کرنا اوراپنی دس سالہ صلح کی قرارداد کو توڑنا چاہتے ہیں،لوگوں نے یہ خبر اہل مکہ تک پہنچادی لیکن جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کے قریب پہنچے تو آپ نے حکم دیا کہ تمام تیر اور نیزے اور دوسرے سارے ہتھیار اس سرزمین میں جس کا نام ''یاجج'' ہے منتقل کردیں، اور آپ خود اور آپ کے صحابہ صرف نیام میں رکھی ہوئی تلواروں کے ساتھ مکہ میں وارد ہوئے۔اہل مکہ نے جب یہ عمل دیکھا تو بہت خوش ہوئے کہ وعدہ پورا ہوگیا،(گویا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اقدام مشرکین کے لئے ایک تنبیہ تھا، کہ اگر وہ نقض عہد کرنا چاہیں اور مسلمانوں کے خلاف سازش کریں،تو ان کے مقابلہ کی قدرت رکھتے ہیں)

رؤسائے مکہ، مکہ سے باہر چلے گئے، تاکہ ان مناظر کو جوان کے لئے دل خراش تھے نہ دیکھیں لیکن باقی اہل مکہ مرد،عورتیں اور بچے سب ہی راستوں میں، چھتوں کے اوپر،اور خانہ خدا کے اطراف میں جمع ہوگئے تھے،تاکہ مسلمانوں اوران کے مراسم عمرہ کو دیکھیں۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاص رُعب اور دبدبہ کے ساتھ مکہ میں وارد ہوئے اور قربانی کے بہت سے اونٹ آپ کے ساتھ تھے، اور آپ نے انتہائی محبت اور ادب کے ساتھ مکہ والوں سے سلوک کیا،اور یہ حکم دیا کہ مسلمان طواف کرتے وقت تیزی کے ساتھ چلیں، اوراحرام کو ذرا سا جسم سے ہٹالیں تاکہ ان کے قوی اور طاقتور اور موٹے تازے شانے آشکار ہوں،اور یہ منظر مکہ کے لوگوں کی روح اور فکر میں،مسلمانوں کی قدرت وطاقت کی زندہ دلیل کے طور پر اثر انداز ہو۔

مجموعی طور سے ''عمرۃ القضاء'' عبادت بھی تھا اور قدرت کی نمائش بھی، یہ کہنا چاہئے کہ ''فتح مکہ'' جو بعد والے سال میں حاصل ہوئی،اس کا بیج انہیں دنوں میں بویا گیا،اوراسلام کے مقابلہ میں اہل مکہ کے سرتسلیم خم کرنے کے سلسلے میں مکمل طور پر زمین ہموار کردی۔یہ وضع وکیفیت قریش کے سرداروں کے لئے اس قدر ناگوار تھی کہ تین دن گزرنے کے بعد کسی کو پیغمبر کی خدمت میں بھیجا کہ قرارداد کے مطابق جتنا جلدی ہوسکے مکہ کو چھوڑ دیجئے۔قابل توجہ بات یہ ہے، کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کی عورتوں میں سے ایک بیوہ عورت کو، جو قریش کے بعض سرداروں کی رشتہ دار تھی،اپنی زوجیت میں لے لیا، تاکہ عربوں کی رسم کے مطابق،اپنے تعلق اور رشتے کو ان سے مستحکم کرکے ان کی عداوت اور مخالفت میں کمی کریں۔

جس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے باہر نکل جانے کی تجویز سنی تو آپ نے فرمایا: میں اس ازدواج کے مراسم کے لئے کھانا کھلانا چاہتا ہوں اور تمہاری بھی دعوت کرنا چاہتا ہوں، یہ دعوت رسمی طور پر رد کردی گئی۔

فتح خیبر

جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ سے واپس لوٹے تو تمام ماہ ذی الحجہ اور ہجرت کے ساتویں سال کے محرم کا کچھ حصہ مدینہ میں توقف کیا، اس کے بعد اپنے اصحاب میں سے ان ایک ہزار چار سو افراد کو جنہوں نے حدیبیہ میں شرکت کی تھی ساتھ لے کر خیبر کی طرف روانہ ہوئے، (جو اسلام کے برخلاف تحریکوں کا مرکز تھا، اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی مناسب فرصت کے لئے گن گن کر دن گزار رہے تھے) کہ اس مرکز فساد کو ختم کریں۔

روایات کے مطابق جس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''حدیبیہ'' سے پلٹ رہے تھے تو حکم خدا سے آپ نے حدیبیہ میں شرکت کرنے والے مسلمانوں کو ''فتح خیبر'' کی بشارت دی، اور تصریح فرمائی کہ اس جنگ میں صرف وہی شرکت کریں گے، اور جنگ میں حاصل شدہ مال غنیمت بھی انہیں کے ساتھ مخصوص ہوگا تخلف کرنے والوں کو ان غنائم میں سے کچھ نہ ملے گا۔

لیکن جونہی ان ڈرپوک دنیا پرستوں نے قرائن سے یہ سمجھ لیا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جنگ میں جو انہیں درپیش ہے یقینی طور پر کامیاب ہوں گے اور سپاہ اسلام کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ آئے گا، تو وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میدان خیبر میں شرکت کی اجازت چاہی اور شاید اس عذر کو بھی ساتھ لیا کہ ہم گزشتہ غلطی کی تلافی کرنے، اپنی ذمہ داری کے بوجھ کو ہلکا کرنے، گناہ سے توبہ کرنے اور اسلام وقرآن کی مخلصانہ خدمت کرنے کے لئے یہ چاہتے ہیں کہ ہم میدان جہاد میں آپ کے ساتھ شرکت کریں، وہ اس بات سے غافل تھے کہ وحی الٰہی پہلے ہی نازل ہو چکی تھیں اور ان کے راز کو فاش کر چکی تھیں، جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا ہے۔

''جس وقت تم کچھ غنیمت حاصل کرنے کے لئے چلو گے تو اس وقت پیچھے رہ جانے والے کہیں گے: ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دیں اور اس جہاد میں شرکت کرنے کا شرف بخشیں''۔[1]

بہر حال قرآن اس منفعت اور فرصت طلب گروہ کے جواب میں کہتا ہے: ''وہ یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے کلام کو بدل دیں''۔ [2]

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''ان سے کہہ دو: تم ہرگز ہمارے پیچھے نہ آنا''، تمہیں اس میدان میں شرکت کرنے کا حق نہیں ہے، یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو میں اپنی طرف سے کہہ رہا ہوں'' یہ تو وہ بات ہے جو خدا نے پہلے سے ہی کہہ دی ہے''۔[3] اور ہمیں تمہارے مستقبل (کے بارے میں) باخبر کر دیا ہے۔

خدا نے حکم دیا ہے کہ ''غنائم خیبر''، ''اہل حدیبیہ'' کے لئے مخصوص ہیں اور اس چیز میں کوئی بھی ان کے ساتھ شرکت نہ کرے، لیکن یہ بے شرم اور پرادعا پیچھے رہ جانے والے پھر بھی میدان سے نہیں ہٹتے اور تمہیں حسد کے ساتھ متہم کرتے ہیں، اور عنقریب وہ یہ کہیں گے: کہ معاملہ اس طرح نہیں ہے بلکہ تم ہم سے حسد کر رہے ہو۔[4]

اور اس طرح وہ ضمنی طور پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب بھی کرتے تھے یہی لوگ ''جنگ خیبر'' میں انہیں شرکت سے منع

---

[1] سورہ فتح آیت 15

[2] سورہ فتح آیت 15

[3] سورہ فتح آیت 15

[4] سورہ فتح آیت 15

کرنے کی اصل حسد کو شمار کرتے ہیں۔

دعائے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

''غطفان'' کے قبیلہ نے شروع میں تو خیبر کے یہودیوں کی حمایت کرنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن بعد میں ڈر گئے اور اس سے رک گئے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت ''خیبر'' کے قلعوں کے نزدیک پہنچے تو آپ نے اپنے صحابہ کو رکنے کا حکم دیا، اس کے بعد آسمان کی طرف سر بلند کیا اور یہ دعا پڑھی:

''خداوندا اے آسمانوں کے پروردگار اور جن پر انھوں نے سایہ ڈالا ہے، اور اے زمینوں کے پروردگار اور جن چیزوں کو انھوں نے اٹھا رکھا ہے میں تجھ سے اس آبادی اور اس کے اہل میں جو خیر ہے اس کا طلب گار ہوں، اور تجھ سے اس کے شر اور اس میں رہنے والوں کے شر اور جو کچھ اس میں ہے اس شر سے پناہ مانگتا ہوں''۔ اس کے بعد فرمایا: ''بسم اللہ'' آگے بڑھو: اور اس طرح سے رات کے وقت ''خیبر'' کے پاس جا پہنچے اور صبح کے وقت جب ا''ہل خیبر'' اس ماجرا سے باخبر ہوئے تو خود کو لشکر اسلام کے محاصرہ میں دیکھا، اس کے بعد پیغمبر نے یکے بعد دیگرے ان قلعوں کو فتح کیا، یہاں تک کہ آخری قلعہ تک، جو سب سے زیادہ مضبوط اور طاقتور تھا، اور مشہور یہودی کمانڈر ''مرحب'' اس میں رہتا تھا، پہنچ گئے۔

انہیں دنوں میں ایک سخت قسم کا درد سر، جو کبھی کبھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عارض ہوا کرتا تھا، آپ کو عارض ہو گیا، اس طرح سے کہ ایک دو دن آپ اپنے خیمہ سے باہر نہ آسکے تو اس موقع پر (مشہور اسلامی تواریخ کے مطابق) حضرت ابوبکر، نے علم سنبھالا اور مسلمانوں کو ساتھ لے کر یہودیوں کے لشکر پر حملہ آور ہوئے، لیکن کوئی نتیجہ حاصل کیے بغیر واپس پلٹ آئے دوسری دفعہ ''حضرت عمر'' نے علم اٹھایا، اور مسلمان پہلے دن کی نسبت زیادہ شدت سے لڑے، لیکن بغیر کسی نتیجہ کے واپس پلٹ آئے۔

فاتح خیبر علی علیہ السلام

یہ خبر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: ''خدا کی قسم کل یہ علم ایسے مرد کو دوں گا جو خدا اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے، اور خدا اور پیغمبر اس کو دوست رکھتے ہیں، اور وہ اس قلعہ کو طاقت کے زور سے فتح کرے گا''۔ ہر طرف سے گردنیں اٹھنے لگیں کہ اس سے مراد کون شخص ہے؟ کچھ لوگوں کا اندازہ تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد علی علیہ السلام ہیں لیکن علی علیہ السلام ابھی وہاں موجود نہیں تھے، کیونکہ شدید آشوب چشم انہیں لشکر میں حاضر ہونے سے مانع تھا، لیکن صبح کے وقت علی علیہ السلام اونٹ پر سوار ہو کر وارد ہوئے، اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیمہ کے پاس اترے درحالیکہ آپ کی آنکھیں شدت کے ساتھ درد کر رہی تھیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے نزدیک آؤ، آپ قریب گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دہن مبارک کا لعاب علی علیہ السلام کی آنکھوں پر ملا اور اس معجزہ کی برکت سے آپ کی آنکھیں بالکل ٹھیک ہو گئیں اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم ان کے ہاتھ میں دیا۔

علی علیہ السلام لشکر اسلام کو ساتھ لے کر خیبر کے سب سے بڑے قلعہ کی طرف بڑھے تو یہودیوں میں سے ایک شخص نے قلعہ کے اوپر سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''میں علی بن ابی طالب'' ہوں، اس یہودی نے پکار کر کہا: اے یہودیو اب تمہاری شکست کا وقت آن پہنچا ہے، اس وقت اس قلعہ کا کمانڈر مرحب یہودی، علی علیہ السلام سے مقابلہ کے لئے نکلا، اور کچھ دیر نہ گزری تھی کہ ایک

ہی کاری ضرب سے زمین پر گر پڑا۔

مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان شدید جنگ شروع ہوگئی، علی علیہ السلام قلعہ کے دروازے کے قریب آئے، اور ایک قوی اور پُرقدرت حرکت کے ساتھ دروازے کو اکھاڑا اور ایک طرف پھینک دیا، اور اس زور سے قلعہ کھل گیا اور مسلمان اس میں داخل ہوگئے اور اسے فتح کرلیا، یہودیوں نے اطاعت قبول کرلی، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ اس اطاعت کے عوض ان کی جان بخشی کی جائے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی درخواست کو قبول کرلیا، منقول غنائم اسلامی لشکر کے ہاتھ آئے اور وہاں کی زمینیں اور باغات آپ نے یہودیوں کو اس شرط کے ساتھ سپرد کردیئے کہ اس کی آمدنی کا آدھا حصہ وہ مسلمانوں کو دیا کریں گے۔

آخرکار پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تواریخ کی نقل کے مطابق غنائم خیبر صرف اہل حدیبیہ پر تقسیم کئے، یہاں تک کہ ان لوگوں کے لئے بھی جو حدیبیہ میں موجود تھے اور کسی وجہ سے جنگ خیبر میں شریک نہ ہوسکے ان کے لئے بھی ایک حصہ قرار دیا، البتہ ایسا آدمی صرف ایک ہی تھا، اور وہ ''جابر بن عبداللہ'' تھا۔

فتح مکہ

فتح مکہ نے؛ تاریخ اسلام میں ایک نئی فصل کا اضافہ کیا ہے اور تقریباً بیس سال کے بعد دشمن کی مقاومتوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیا، حقیقت میں فتح مکہ سے جزیرۃ العرب سے شرک و بت پرستی کی بساط لپیٹ دی گئی، اور اسلام دنیا کے دوسرے ممالک کی طرف حرکت کے لئے آمادہ ہوا۔

اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ عہد و پیمان اور صلح کے بعد کفار نے عہد شکنی کی اور اس صلح نامہ کو نظر انداز کردیا، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض حلیفوں کے ساتھ زیادتی کی، آپؐ کے حلیفوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حلیفوں کی مدد کرنے کا ارادہ کرلیا، اور دوسری طرف مکہ میں بت پرستی شرک اور نفاق کا جو مرکز قائم تھا اس کے ختم ہونے کے تمام حالات فراہم ہوگئے تھے اور یہ ایک ایسا کام تھا جسے ہر حالت میں انجام دینا ضروری تھا، اس لئے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے مکہ کی طرف جانے کے لئے آمادہ ہوگئے، فتح مکہ تین مراحل میں انجام پائی۔

پہلا مرحلہ مقدماتی تھا، یعنی ضروری قوا اور توانائیوں کو فراہم کرنا، زمانہ کے موافق حالات کا انتخاب اور دشمن کی جسمانی و روحانی قوت و توانائی کی مقدار و کیفیت کی حیثیت کے بارے میں کافی اطلاعات حاصل کرنا تھا۔

دوسرا مرحلہ، فتح کے مرحلہ کو بہت ہی ماہرانہ اور ضائعات و تلفات یعنی نقصان کے بغیر انجام دینا تھا۔

اور آخری مرحلہ، جو اصلی مرحلہ تھا، وہ اس کے آثار و نتائج کا مرحلہ تھا۔

یہ مرحلہ انتہائی دقت، باریک بینی اور لطافت کے ساتھ انجام پایا، خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ و مدینہ کی شاہراہ کو اس طرح سے قرق کرلیا تھا کہ اس عظیم آمادگی کی خبر کسی طرح سے بھی اہل مکہ کو نہ پہنچ سکی۔ اس لئے انہوں نے کسی قسم کی تیاری نہ کی، وہ مکمل طور پر غفلت میں پڑے رہے اور اسی وجہ سے اس مقدس سرزمین میں اس عظیم حملہ اور بہت بڑی فتح میں تقریباً کوئی خون نہیں بہا۔

یہاں تک کہ وہ خط بھی، جو ایک ضعیف الایمان مسلمان ''حاطب بن ابی بلتعہ'' نے قریش کو لکھا تھا اور قبیلہ ''مزینہ'' کی ایک عورت ''کفوذ'' یا ''سارہ'' نامی کے ہاتھ مکہ کی طرف روانہ کیا تھا، اعجاز آمیز طریقہ سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے آشکار ہوگیا، علی علیہ السلام کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ بڑی تیزی سے اس کے پیچھے روانہ ہوئے، انہوں نے اس عورت کو مکہ و مدینہ کی ایک درمیانی منزل

میں جالیا اور اس سے وہ خط لے کر خود اسے بھی مدینہ واپس لے آئے۔

مکہ کی طرف روانگی

بہر حال پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں اپنا ایک قائم مقام مقرر کر کے ہجرت کے آٹھویں سال ماہ رمضان کی دس تاریخ کو مکہ کی طرف چل پڑے، اور دس دن کے بعد مکہ پہنچ گئے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راستے کے وسط میں اپنے چچا عباس کو دیکھا کہ وہ مکہ سے ہجرت کر کے آپؐ کی طرف آ رہے ہیں۔

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنا سامان مدینہ بھیج دیجئے اور خود ہمارے ساتھ چلیں، اور آپ آخری مہاجر ہیں۔

آخر کار مسلمان مکہ کی طرف پہنچ گئے اور شہر کے باہر، اطراف کے بیابانوں میں اس مقام پر جسے ''مرالظہران'' کہا جاتا تھا اور جو مکہ سے چند کلومیٹر سے زیادہ فاصلہ پر نہ تھا، پڑاؤ ڈال دیا۔ اور رات کے وقت کھانا پکانے کے لئے (یا شاید اپنی وسیع پیمانہ پر موجودگی کو ثابت کرنے کے لئے) وہاں آگ روشن کر دی، اہل مکہ کا ایک گروہ اس منظر کو دیکھ کر حیرت میں ڈوب گیا۔

ابھی تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور لشکر اسلام کے اس طرف آنے کی خبریں قریش سے پنہاں تھیں۔

اس رات اہل مکہ کا سرغنہ ابوسفیان اور مشرکین کے بعض دوسرے سرغنہ خبریں معلوم کرنے کے لئے مکہ سے باہر نکلے، اس موقع پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس نے سوچا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قہر آلود طریقہ پر مکہ میں وارد ہوئے تو قریش میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا، انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لئے بغیر اور آپؐ کی سواری پر سوار ہو کر کہا میں جاتا ہوں، شاید کوئی مل جائے تو اس سے کہوں کہ اہل مکہ کو اس ماجرے سے آگاہ کر دے تاکہ وہ آکر امان حاصل کر لیں۔

عباس وہاں روانہ ہو کر بہت قریب پہنچ گئے۔ اتفاقاً اس موقع پر انہوں نے ''ابوسفیان'' کی آواز سنی جو اپنے ایک دوست ''بدیل'' سے کہہ رہا تھا کہ ہم نے کبھی بھی اس سے زیادہ آگ نہیں دیکھی، ''بدیل'' نے کہا میرا خیال ہے کہ یہ آگ قبیلہ ''خزاعہ'' نے جلائی ہوئی ہے، ابوسفیان نے کہا قبیلہ خزاعہ اس سے کہیں زیادہ ذلیل وخوار ہیں کہ وہ اتنی آگ روشن کریں، اس موقع پر عباس نے ابوسفیان کو پکارا، ابوسفیان نے بھی عباس کو پہچان لیا اور کہا سچ سچ بتاؤ کیا بات ہے؟

عباس نے جواب دیا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو دس ہزار مجاہدین اسلام کے ساتھ تمہاری طرف آ رہے ہیں، ابوسفیان سخت پریشان ہوا اور کہا آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں۔

عباس نے کہا: میرے ساتھ آؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امان لے لو ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے۔

اس طرح سے عباس نے ''ابوسفیان'' کو اپنے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری پر ہی سوار کر لیا اور تیزی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پلٹ آئے۔ وہ جس گروہ اور جس آگ کے قریب سے گزرتے وہ یہی کہتے کہ یہ تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری پر سوار ہیں، کوئی غیر آدمی نہیں ہے، یہاں تک کہ وہ اس مقام پر آئے، جہاں عمر ابن خطاب تھے، جب عمر بن خطاب کی نگاہ ابوسفیان پر پڑی تو کہا خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے تجھ (ابوسفیان) پر مسلط کیا ہے، اب تیرے لئے کوئی امان نہیں ہے اور فوراً ہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر آپؐ سے ابوسفیان کی گردن اڑانے کی اجازت مانگی۔

لیکن اتنے میں عباس بھی پہنچ گئے اور کہا: کہ اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے اسے پناہ دے دی ہے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں بھی سر دست اسے امان دیتا ہوں، کل آپؐ اسے میرے پاس لے آئیں اگلے دن جب عباس اسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت

میں لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: ''اے ابوسفیان وائے ہو تجھ پر، کیا وہ وقت ابھی نہیں آیا کہ تو خدائے یگانہ پر ایمان لے آئے''۔

اس نے عرض کیا: ہاں اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا یگانہ ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اگر بتوں سے کچھ ہوسکتا تو میں یہ دن نہ دیکھتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیا وہ موقع نہیں آیا کہ تو جان لے کہ میں اللہ کا رسول ہوں''۔

اس نے عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ابھی اس بارے میں میرے دل میں کچھ شک وشبہ موجود ہے لیکن آخرکار ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں میں سے دو آدمی مسلمان ہو گئے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عباس سے فرمایا: ''ابوسفیان کو اس درہ میں جو مکہ کی گزرگاہ ہے، لے جاؤ تاکہ خدا کا لشکر وہاں سے گزرے اور یہ دیکھ لے''۔

عباس نے عرض کیا: ''ابوسفیان ایک جاہ طلب آدمی ہے، اسکو کوئی امتیازی حیثیت دے دیجئے''

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے وہ امان میں ہے، جو شخص مسجد الحرام میں پناہ لے لے وہ امان میں ہے، جو شخص اپنے گھر کے اندر ہے اور دروازہ بند کرلے وہ بھی امان میں ہے''۔

بہرحال جب ابوسفیان نے اس لشکر عظیم کو دیکھا تو اسے یقین ہوگیا کہ مقابلہ کرنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہی اور اس نے عباس کی طرف رخ کر کے کہا: آپ کے بھتیجے کی سلطنت بہت بڑی ہوگئی ہے، عباس نے کہا: وائے ہو تجھ پر یہ سلطنت نہیں نبوت ہے۔

اس کے بعد عباس نے اس سے کہا کہ اب تو تیزی کے ساتھ مکہ والوں کے پاس جا کر انہیں لشکر اسلام کا مقابلہ کرنے سے ڈرا۔

ابوسفیان؛ لوگوں کو تسلیم ہونے کی دعوت کرتا ہے

ابوسفیان نے مسجد الحرام میں جا کر پکار کر کہا: ''اے جمعیت قریش محمد ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ تمہاری طرف آیا ہے، تم میں اس کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے، اس کے بعد اس نے کہا: جو شخص میرے گھر میں داخل ہوجائے وہ امان میں ہے، جو شخص مسجد الحرام میں چلا جائے وہ بھی امان میں ہے اور جو شخص اپنے گھر میں رہتے ہوئے گھر کا دروازہ بند کرے وہ بھی امان میں ہے''۔

اس کے بعد اس نے چیخ کر کہا: اے جمعیت قریش اسلام قبول کرلو تاکہ سالم رہو اور بچ جاؤ، اس کی بیوی ''ہندہ'' نے اس کی داڑھی پکڑ لی اور چیخ کر کہا: اس بڈھے احمق کو قتل کردو۔

ابوسفیان نے کہا: میری داڑھی چھوڑ دے۔ خدا کی قسم اگر تو اسلام نہ لائی تو تو بھی قتل ہوجائے گی، جا کر گھر میں بیٹھ جا۔

علی علیہ السلام کے قدم دوش رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر

اس کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر اسلام کے ساتھ روانہ ہوئے اور ''ذی طوی'' کے مقام تک پہنچ گئے، وہی بلند مقام جہاں سے مکہ کے مکانات صاف نظر آتے ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ دن یاد آ گیا جب آپ مجبور ہو کر مخفی طور پر مکہ سے باہر نکلے تھے، لیکن آج دیکھ رہے ہیں کہ اس عظمت کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں، تو آپ نے اپنی پیشانی مبارک اونٹ کے کجاوے کے اوپر رکھ دی او

رسجدہ شکر بجالائے،اس کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''حجون'' میں (مکہ کے بلند مقامات میں سے وہ جگہ جہاں خدیجہ سلام اللہ علیہا کی قبر ہے) اترے، غسل کر کے اسلحہ اور لباس جنگ پہن کر اپنی سواری پر سوار ہوئے، سورہ فتح کی قرائت کرتے ہوئے مسجد الحرام میں داخل ہوئے اور آواز تکبیر بلند کی، لشکر اسلام نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا تو اس سے سارے دشت وکوہ گونج اٹھے۔ اس کے بعد آپ اپنے اونٹ سے نیچے اترے اور بتوں کو توڑنے کے لئے خانہ کعبہ کے قریب آئے، آپ یکے بعد دیگرے بتوں کو سرنگوں کرتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے:

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿٨١﴾

''حق آگیا اور باطل ہٹ گیا، اور باطل ہے ہی مٹنے والا''۔

کچھ بڑے بڑے بت کعبہ کے اوپر نصب تھے، جن تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ نہیں پہنچتا تھا، آپؐ نے امیر المومنین علی علیہ السلام کو حکم دیا وہ میرے دوش پر پاؤں رکھ کر اوپر چڑھ جائیں اور بتوں کو زمین پر گرا کر توڑ ڈالیں، علی علیہ السلام نے آپ کے حکم کی اطاعت کی۔

اس کے بعد آپ نے خانہ کعبہ کی کلید لے کر دروازہ کھولا اور انبیاء کی ان تصویروں کو جو خانہ کعبہ کے اندر در و دیوار پر بنی ہوئی تھیں، محو کر دیا۔ اس سریع اور شاندار کامیابی کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ کعبہ کے دروازے کے حلقہ میں ہاتھ ڈالا اور وہاں پر موجود اہل مکہ کی طرف رخ کر کے فرمایا:

''اب بتلاؤ تم کیا کہتے ہو؟ اور تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے بارے میں کیا حکم دوں گا''؟ انہوں نے عرض کیا: ہم آپ سے نیکی اور بھلائی کے سوا اور کوئی توقع نہیں رکھتے آپؐ ہمارے بزرگوار بھائی اور ہمارے بزرگوار بھائی کے فرزند ہیں، آج آپ برسر اقتدار آگئے ہیں، ہیں بخش دیجئے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبانے لگے اور مکہ کے لوگ بھی بلند آواز کے ساتھ رونے لگے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمہارے بارے میں وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے کی تھی کہ آج تمہارے اوپر کسی قسم کی کوئی سرزنش اور ملامت نہیں ہے، خدا تمہیں بخش دے گا، وہ الرحم الراحمین ہے''۔ [1]

اور اس طرح سے آپ نے ان سب کو معاف کر دیا اور فرمایا: ''تم سب آزاد ہو، جہاں چاہو جا سکتے ہو''۔

آج کا دن روز رحمت ہے

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ لشکری کسی سے نہ الجھیں اور بالکل کوئی خون نہ بہایا جائے۔ ایک روایت کے مطابق صرف چھ افراد کو مستثنیٰ کیا گیا جو بہت ہی بدزبان اور خطرناک لوگ تھے۔

یہاں تک کہ جب آپؐ نے یہ سنا کہ لشکر اسلام کے علمدار سعد بن عبادہ نے انتقام کا نعرہ بلند کیا ہے اور وہ یہ کہہ رہا ہے کہ: ''آج انتقام کا دن ہے'' تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام سے فرمایا: ''جلدی سے جا کر اس سے علم لے کر یہ نعرہ لگاؤ کہ آج عفو و بخشش اور رحمت کا دن ہے''۔

اور اس طرح مکہ کسی خونریزی کے بغیر فتح ہو گیا، عفو و رحمت اسلام کی اس کشش نے، جس کی انہیں بالکل توقع نہیں تھی، دلوں پر ایسا اثر کیا کہ لوگ گروہ در گروہ آکر مسلمان ہو گئے، اس عظیم فتح کی صدا تمام جزائر عربستان میں جا پہنچی، اسلام کی شہرت ہر جگہ پھیل گئی اور مسلمانوں اور اسلام کی ہر جہت سے دھاک بیٹھ گئی۔

---

[1] سورہ یوسف آیت 92

جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ کے دروازے کے سامنے کھڑے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا:

''خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے، وہ یکتا اور یگانہ ہے، اس نے آخر کار اپنے وعدہ کو پورا کر دیا، اور اپنے بندہ کی مدد کی، اور اس نے خود اکیلے ہی تمام گروہوں کو شکست دے دی، ان لوگوں کا ہر مال، ہر امتیاز، اور ہر وہ خون جس کا تعلق ماضی اور زمانہ جاہلیت سے ہے، سب کے سب میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہیں''۔ (یعنی زمانہ جاہلیت میں ہوئے خون خرابہ کو بھول جاو، غارت شدہ اموال کی بات نہ کرو اور زمانہ جاہلیت کے تمام امتیازات کو ختم کر ڈالو، خلاصہ گذشتہ فائلوں کو بند کر دیا جائے۔)

یہ ایک بہت ہی اہم اور عجیب قسم کی پیش نہاد تھی جس میں عمومی معافی کے فرمان سے حجاز کے لوگوں کو ان کے تاریک اور پُر ماجرا ماضی سے کاٹ کر رکھ دیا اور انہیں اسلام کے سائے میں ایک نئی زندگی بخشی جو ماضی سے مربوط کشمکشوں اور جنجالوں سے مکمل طور پر خالی تھی۔

اس کام نے اسلام کی پیش رفت کے سلسلہ میں بہت زیادہ مدد کی اور یہ ہمارے آج اور آنے والے کل کے لئے ایک دستو رالعمل ہے۔

عورتوں کی بیعت کے شرائط

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوہ صفا پر قیام فرمایا اور مردوں سے بیعت لی، بعدہ مکہ کی عورتیں جو ایمان لے آئی تھیں بیعت کرنے کے لئے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو وحی الٰہی نازل ہوئی اور ان کی بیعت کی تفصیل بیان کی، روئے سخن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''اے پیغمبر جب مومن عورتیں تیرے پاس آئیں اور ان شرائط پر تجھ سے بیعت کر لیں کہ وہ کسی چیز کو خدا کا شریک قرار نہیں دیں گی، چوری نہیں کریں گی، زنا سے آلودہ نہیں ہوں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے آگے کوئی افتراء اور بہتان نہیں باندھیں گی اور کسی حکم میں تیری نافرمانی نہیں کریں گی تو تم ان سے بیعت لے لو اور ان کے لئے بخشش طلب کرو، بیشک خدا بخشنے والا اور مہربان ہے۔''[1]

اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے بیعت لی۔

بیعت کی کیفیت کے بارے میں بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی کا ایک برتن لانے کا حکم دیا اور اپنا ہاتھ پانی کے اس برتن میں رکھ دیا، عورتیں اپنے ہاتھ برتن کے دوسری طرف رکھ دیتی تھیں، جب کہ بعض نے کہا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لباس کے اوپر سے بیعت لیتے تھے۔

ابوسفیان کی بیوی ہندہ کی بیعت کا ماجرا

فتح مکہ کے واقعہ میں جن عورتوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی ان میں سے ایک ابوسفیان کی بیوی ''ہندہ'' تھی، یعنی وہ عورت جس کی طرف سے تاریخ اسلام بہت سے دردناک واقعات محفوظ رکھے ہوئے ہے، ان میں سے ایک میدان احد میں حمزہ سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ ہے کہ جس کی کیفیت بہت ہی غم انگیز ہے۔

اگر چہ آخر کار وہ مجبور ہو گئی کہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے گھٹنے ٹیک دے اور ظاہراً مسلمان ہو جائے لیکن اسکی

---

[1] سورہ ممتحنہ آیت 12

بیعت کا ماجرا بتاتا ہے کہ وہ حقیقت میں اپنے سابقہ عقائد کی اسی طرح وفادار تھی، لہٰذا اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کہ بنی امیہ کا خاندان اور ہندہ کی اولاد نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس قسم کے جرائم کا ارتکاب کیا کہ جن کی سابقہ زمانہ میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔

بہر حال مفسرین نے اس طرح لکھا ہے کہ ہندہ نے اپنے چہرے پر نقاب ڈالا ہوا تھا وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئی جب آپ کوہ صفا پر تشریف فرما تھے اور عورتوں کی ایک جماعت ہندہ کے ساتھ تھی، جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا کہ میں تم عورتوں سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم کسی چیز کو خدا کا شریک قرار نہیں دوگی، تو ہندہ نے اعتراض کیا اور کہا: ''آپ ہم سے ایسا عہد لے رہے ہیں جو آپ نے مردوں سے نہیں لیا''، (کیونکہ اس دن مردوں سے صرف ایمان اور جہاد پر بیعت لی گئی تھی)

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بات کی پرواہ کئے بغیر اپنی گفتگو کو جاری فرمایا: ''کہ تم چوری بھی نہیں کروگی،''

ہندہ نے کہا: ابوسفیان کنجوس اور بخیل آدمی ہے میں نے اس کے مال میں سے کچھ چیزیں لی ہیں، میں نہیں جانتی کہ وہ انہیں مجھ پر حلال کرے گا یا نہیں ابوسفیان موجود تھا، اس نے کہا: جو کچھ تو نے گذشتہ زمانہ میں میرے مال میں سے لے لیا ہے وہ سب میں نے حلال کیا، (لیکن آئندہ کے لئے پابندی کرنا۔)

اس موقع پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسے اور ہندہ کو پہچان کر فرمایا: ''کیا تو ہندہ ہے''؟ اس نے کہا: ''جی ہاں، یا رسول اللہ پچھلے امور کو بخش دیجئے خدا آپ کو بخشے''۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی گفتگو کو جاری رکھا: ''اور تم زنا سے آلودہ نہیں ہوگی،''

ہندہ نے تعجب کرتے ہوئے کہا: ''کیا آزاد عورت اس قسم کا عمل بھی انجام دیتی ہے؟''

حاضرین میں سے بعض لوگ جو زمانہ جاہلیت میں اس کی حالت سے واقف تھے اس کی اس بات پر ہنس پڑے کیونکہ ہندہ کا سابقہ زمانہ کسی سے مخفی نہیں تھا۔

پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ''اور تم اپنی اولاد کو قتل نہیں کروگی''۔

ہندہ نے کہا: ''ہم نے تو انہیں بچپن میں پالا پوسا تھا، مگر جب وہ بڑے ہوئے تو آپ نے انہیں قتل کر دیا، اب آپ اور وہ خود بہتر جانتے ہیں''۔ (اس کی مراد اس کا بیٹا ''حنظلہ'' تھا جو بدر کے دن علی علیہ السلام کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔)

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اس بات پر تبسم فرمایا، اور جب آپ اس بات پر پہنچے اور فرمایا: ''تم بہتان اور تہمت کو روا نہیں رکھوگی''۔

تو ہندہ نے کہا: ''بہتان قبیح ہے اور آپ ہمیں صلاح و درستی، نیکی اور مکارم اخلاق کے سوا اور کسی چیز کی دعوت نہیں دیتے''۔

جب آپ نے یہ فرمایا: ''تم تمام اچھے کاموں میں میرے حکم کی اطاعت کروگی''۔

تو ہندہ نے کہا: ''ہم یہاں اس لئے نہیں بیٹھے ہیں کہ ہمارے دل میں آپ کی نافرمانی کا ارادہ ہو''۔

حالانکہ مسلمہ طور پر معاملہ اس طرح نہیں تھا، لیکن تعلیمات اسلامی کے مطابق پیغمبرؐ اس بات کے پابند تھے کہ ان کے بیانات کو قبول کرلیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطوط دنیا کے بادشاہوں کے نام

تاریخ اسلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سرزمین حجاز میں اسلام کافی نفوذ کر چکا تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس زمانے کے

بڑے بڑے حکمرانوں کے نام کئی خطوط روانہ کیے۔ان میں بعض خطوط میں ان چیزوں کا سہارا لیا گیا ہے،جس میں آسمانی ادیان کی قدر مشترک کا تذکرہ ہے۔

مقوقس [1] کے نام خط

مقوقس مصر کا حاکم تھا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں اور حکام کو خطوط لکھے اور انہیں اسلام کی طرف دعوت دی،حاطب بن ابی بلتعہ کو حاکم مصر مقوقس کی طرف یہ خط دے کر روانہ کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من: محمد بن عبداللہ

الی: المقوقس عظیم القبط

سلام علی من اتبع الھدی،اما بعد:"فانی ادعوك بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم،یو تك اللہ اجرك مرتین، فان تولیت فانما علیکم اثم القبط۔۔۔ یا اھل الکتب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم "ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرك بہ شیئاً ولا تتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ،فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون"۔

اللہ کے نام سے جو بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

از۔۔۔محمد بن عبداللہ

بطرف۔۔۔قبطیوں کے مقوقس بزرگ۔

حق کے پیروکاروں پر سلام ہو۔

میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔اسلام لے آ تاکہ سالم رہو۔خدا تجھے دوگنا اجر دے گا۔(ایک خود تمہارے ایمان لانے پر اور دوسرا ان لوگوں کی وجہ سے جو تمہاری پیروی کرکے ایمان لائیں گے)اور اگر تو نے قانون اسلام سے روگردانی کی تو قبطیوں کے گناہ تیرے ذمہ ہوں گے"اے اہل کتاب ہم تمہیں ایک مشترک بنیاد کی طرف دعوت دیتے ہیں اور وہ یہ کہ ہم خدائے یگانہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک قرار نہ دیں حق سے روگردانی نہ کریں تو ان سے کہو کہ گواہ رہو ہم تم مسلمان ہیں"۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفیر مصر کی طرف روانہ ہوا،اسے اطلاع ملی کہ حاکم مصر اسکندریہ میں ہے لہٰذا وہ اس وقت کے ذرائع آمد ورفت کے ذریعے اسکندریہ پہنچا اور مقوقس کے محل میں گیا،حضرت کا خط اسے دیا،مقوقس نے خط کھول کر پڑھا کچھ دیر تک سوچتا رہا،پھر کہنے لگا:"اگر واقعاً محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کا بھیجا ہوا ہے تو اس کے مخالفین اسے اس کی پیدائش کی جگہ سے باہر نکالنے میں کیوں کامیاب ہوئے اور وہ مجبور ہوا کہ مدینہ میں سکونت اختیار کرے؟ان پر نفرین اور بددعا کیوں نہیں کی تاکہ وہ نابود ہو جاتے؟"

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد نے جواباً کہا:

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے رسول تھے اور آپ بھی ان کی حقانیت کی گواہی دیتے ہیں،بنی اسرائیل نے جب ان کے قتل کی

[1] "مقوقس"(بہ ضم میم وبہ فتحہ ہر دو"قاف")"ہرقل"بادشاہ روم کی طرف سے مصر کا والی تھا۔

سازش کی تو آپ نے ان پر نفرین اور بد دعا کیوں نہیں کی تا کہ خدا انہیں ہلاک کر دیتا؟''
یہ منطق سن کر مقوقس تحسین کرنے لگا اور کہنے لگا:

"احسنت انت حکیم من عند حکیم"

''آفرین ہے، تم سمجھدار ہو اور ایک صاحب حکمت کی طرف سے آئے ہو''

حاطب نے پھر گفتگو شروع کی اور کہا: ''آپ سے پہلے ایک شخص (یعنی فرعون) اس ملک پر حکومت کرتا تھا، وہ مدتوں لوگوں میں اپنی خدائی کا سودا بیچتا رہا، بالآخر اللہ نے اسے نابود کر دیا تا کہ اس کی زندگی آپ کے لئے باعث عبرت ہو لیکن آپ کوشش کریں کہ آپ کی زندگی دوسروں کے لئے نمونہ بن جائے''۔

''پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ایک پاکیزہ دین کی طرف دعوت دی ہے، قریش نے ان سے بہت سخت جنگ کی اور ان کے مقابل صف آراء ہوئے، یہودی بھی کینہ پروری سے ان کے مقابلے میں آ کھڑے ہوئے اور اسلام سے زیادہ نزدیک عیسائی ہیں۔''

''مجھے اپنی جان کی قسم جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی بشارت دی تھی اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبشر تھے، آپ لوگوں نے توریت کے ماننے والوں کو انجیل کی دعوت دی تھی، جو قوم پیغمبر حق کی دعوت کو سنے اسے چاہئے کہ اس کی پیروی کرے، میں نے محمد کی دعوت آپ کی سرزمین تک پہنچا دی ہے، مناسب یہی ہے کہ آپ اور مصری قوم یہ دعوت قبول کر لے''۔

حاطب کچھ عرصہ اسکندریہ ہی میں ٹھہرا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کا جواب حاصل کرے، چند روز گزر گئے، ایک دن مقوقس نے حاطب کو اپنے محل میں بلایا اور خواہش کی کہ اسے اسلام کے بارے میں کچھ مزید بتایا جائے۔

حاطب نے کہا: ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں خدائے یکتا کی پرستش کی دعوت دیتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ لوگ روز و شب میں پانچ مرتبہ اپنے پروردگار سے قریبی رابطہ پیدا کریں اور نماز پڑھیں، پیمان پورے کریں، خون اور مردار کھانے سے اجتناب کریں''۔

علاوہ ازیں حاطب نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی بعض خصوصیات بھی بیان کیں۔

مقوقس کہنے لگا: ''یہ تو بڑی اچھی نشانیاں ہیں۔ میرا خیال تھا کہ خاتم النبیین سرزمین شام سے ظہور کریں گے جو انبیاء علیہم السلام کی سرزمین ہے، اب مجھ پر واضح ہوا کہ وہ سرزمین حجاز سے مبعوث ہوئے ہیں''۔

اس کے بعد اس نے اپنے کاتب کو حکم دیا کہ وہ عربی زبان میں اس مضمون کا خط تحریر کرے:

بخدمت: محمد بن عبداللہ۔

منجانب: قبطیوں کے بزرگ مقوقس۔

''آپ پر سلام ہو، میں نے آپ کا خط پڑھا، آپ کے مقصد سے باخبر ہوا اور آپ کی دعوت کی حقیقت کو سمجھ لیا، میں یہ تو جانتا تھا کہ ایک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہور کرے گا لیکن میرا خیال تھا کہ وہ خطۂ شام سے مبعوث ہوگا، میں آپ کے قاصد کا احترام کرتا ہوں''۔

پھر خط میں ان ہدیوں اور تحفوں کی طرف اشارہ کیا جو اس نے آپ کی خدمت میں بھیجے، خط اس نے ان الفاظ پر تمام کیا۔

''آپ پر سلام ہو''

تاریخ میں ہے کہ مقوقس نے کوئی گیارہ قسم کے ہدیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بھیجے، تاریخ اسلام میں ان کی تفصیلات موجود ہیں، ان میں سے ایک طبیب تھا تا کہ وہ بیمار ہونے والے مسلمانوں کا علاج کرے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیگر ہدیئے قبول فرمایائے

لیکن طبیب کو قبول نہ کیا اور فرمایا: ''ہم ایسے لوگ ہیں کہ جب تک بھوک نہ لگے کھانا نہیں کھاتے اور سیر ہونے سے پہلے کھانے سے ہاتھ روک لیتے ہیں، یہی چیز ہماری صحت وسلامتی کے لئے کافی ہے''۔

شاید صحت کے اس عظیم اصول کے علاوہ پیغمبر اسلام ﷺ اس طبیب کی وہاں موجودگی کو درست نہ سمجھتے ہوں کیونکہ وہ ایک متعصب عیسائی تھا لہٰذا آپ نہیں چاہتے تھے کہ اپنی اور مسلمانوں کی جان کا معاملہ اس کے سپرد کر دیں۔

مقوقس نے جو سفیر پیغمبر ﷺ کا احترام کیا، آپ کے لئے ہدیے بھیجے اور خط میں نام محمد اپنے نام سے مقدم رکھا یہ سب اس بات کی حکایت کرتے ہیں کہ اس نے آپ کی دعوت کو باطن میں قبول کر لیا تھا یا کم از کم اسلام کی طرف مائل ہو گیا تھا لیکن اس بناء پر کہ اس کی حیثیت اور وقعت کو نقصان نہ پہنچے ظاہری طور پر اس نے اسلام کی طرف اپنی رغبت کا اظہار نہ کیا۔

قیصر روم کے نام خط

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من: محمد بن عبداللہ

الی: ہرقل عظیم الرّوم

سلام علی من اتبع الھدی

اما بعد: فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام۔

اسلم تسلم، یو تک اللہ اجرک مرتین، فان تولیت فانما علیکم اثم القبط۔۔۔ یا اھل الکتب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم ''ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا تتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ، فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون''۔

اللہ کے نام سے جو بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

منجانب: محمد بن عبداللہ۔

بطرف: ہرقل بادشاہ روم۔

''اس پر سلام ہے جو ہدایت کی پیروی کرے۔ میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ تا کہ سالم رہو۔ خدا تجھے دوگنا اجر دے گا۔ (ایک خود تمہارے ایمان لانے پر اور دوسرا ان لوگوں کی وجہ سے جو تمہاری پیروی کر کے ایمان لائیں گے) اور اگر تو نے قانون اسلام سے روگردانی کی تو اریسوں کا گناہ بھی تیری گردن پر ہوگا۔ اے اہل کتاب ہم تمہیں ایک مشترک بنیاد کی طرف دعوت دیتے ہیں اور وہ یہ کہ ہم خدائے یگانہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک قرار نہ دیں حق سے روگردانی نہ کریں تو ان سے کہو کہ گواہ رہو ہم تم مسلمان ہیں''۔

قیصر کے پاس نبی اکرم ﷺ کا پیغام پہنچانے کے لئے ''دحیہ کلبی'' مامور ہوا سفیر پیغمبر ﷺ عازم روم ہوا۔

قیصر کے دارالحکومت قسطنطنیہ پہنچنے سے پہلے اسے معلوم ہوا کہ قیصر بیت المقدس کی زیارت کے ارادے سے قسطنطنیہ چھوڑ چکا ہے، لہٰذا اس نے بصری کے گورنر حادث بن ابی شمر سے رابطہ پیدا کیا اور اسے اپنا مقصد سفر بتایا ظاہراً پیغمبر اکرم ﷺ نے بھی اجازت دے رکھی تھی کہ دحیہ وہ خط حاکم بصری کو دے دے تا کہ وہ اسے قیصر تک پہنچا دے سفیر پیغمبر ﷺ نے گورنر سے رابطہ کیا تو

اس نے عدی بن حاتم کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ وہ دحیہ کے ساتھ بیت المقدس کی طرف جائے اور خط قیصر تک پہنچا دے مقام حمص میں سفیر کی قیصر سے ملاقات ہوئی لیکن ملاقات سے قبل شاہی دربار کے کارکنوں نے کہا:

''تمہیں قیصر کے سامنے سجدہ کرنا پڑے گا ورنہ وہ تمہاری پرواہ نہیں کرے گا''

دحیہ ایک سمجھدار آدمی تھا کہنے لگا:

''میں ان غیر مناسب بدعتوں کو ختم کرنے کے لئے اتنا سفر کر کے آیا ہوں۔ میں اس مراسلے کے بھیجنے والے کی طرف سے آیا ہوں تا کہ قیصر کو یہ پیغام دوں کہ بشر پرستی کو ختم ہونا چاہئے اور خدائے واحد کے سوا کسی کی عبادت نہیں ہونی چاہیے، اس عقیدے کے باوجود کیسے ممکن ہے کہ میں غیر خدا کے لئے سجدہ کروں''۔

پیغمبرؐ کے قاصد کی قوی منطق سے وہ بہت حیران ہوئے، درباریوں میں سے ایک نے کہا:

''تمہیں چاہئے کہ خط بادشاہ کی مخصوص میز پر رکھ کر چلے جاؤ، اس میز پر رکھے ہوئے خط کو قیصر کے علاوہ کوئی نہیں اٹھا سکتا''۔

دحیہ نے اس کا شکریہ ادا کیا، خط میز پر رکھا اور خود واپس چلا گیا، قیصر نے خط کھولا، خط نے جو ''بسم اللہ'' سے شروع ہوتا تھا اسے متوجہ کیا اور کہنے لگا۔

''حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کے سوا آج تک میں نے ایسا خط نہیں دیکھا''

اس نے اپنے مترجم کو بلایا تا کہ وہ خط پڑھے اور اس کا ترجمہ کرے، بادشاہ روم کو خیال ہوا کہ ہوسکتا ہے خط لکھنے والا وہی نبی ہو جس کا وعدہ انجیل اور توریت میں کیا گیا ہے، وہ اس جستجو میں لگ گیا کہ آپ کی زندگی کی خصوصیات معلوم کرے، اس نے حکم دیا کہ شام کے پورے علاقے میں چھان بین کی جائے، شاید محمد کے رشتہ داروں میں سے کوئی شخص مل جائے جو ان کے حالات سے واقف ہو، اتفاق سے ابوسفیان اور قریش کا ایک گروہ تجارت کے لئے شام آیا ہوا تھا، شام اس وقت سلطنت روم کا مشرقی حصہ تھا، قیصر کے آدمیوں نے ان سے رابطہ قائم کیا اور انہیں بیت المقدس لے گئے، قیصر نے ان سے سوال کیا:

کیا تم میں سے کوئی محمد کا نزدیکی رشتہ دار ہے؟

ابوسفیان نے کہا: میں اور محمد ایک ہی خاندان سے ہیں اور ہم چوتھی پشت میں ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔

پھر قیصر نے اس سے کچھ سوالات کئے دونوں میں یوں گفتگو ہوئی:

قیصر: اس کے بزرگوں میں سے کوئی حکمران ہوا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: کیا نبوت کے دعوی سے پہلے وہ جھوٹ بولنے سے اجتناب کرتا تھا؟

ابوسفیان: ہاں محمد راست گو اور سچا انسان ہے۔

قیصر: کونسا طبقہ اس کا مخالف ہے اور کونسا موافق؟

ابوسفیان: اشراف اس کے مخالف ہیں، عام اور متوسط درجے کے لوگ اسے چاہتے ہیں۔

قیصر: اس کے پیروکاروں میں سے کوئی اس کے دین سے پھرا بھی ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: کیا اس کے پیروکار روز بروز بڑھ رہے ہیں؟

ابوسفیان: ہاں۔

اس کے بعد قیصر نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں سے کہا:

''اگر یہ باتیں سچی ہیں تو پھر یقیناً وہ پیغمبر موعود ہیں، مجھے معلوم تھا کہ ایسے پیغمبر کا ظہور ہوگا لیکن مجھے یہ پتہ نہ تھا کہ وہ قریش میں سے ہوگا، میں تیار ہوں کہ اس کے لئے خضوع کروں اور احترام کے طور پر اس کے پاؤں دھووں، میں پیش گوئی کرتا ہوں کہ اس کا دین اور حکومت سرزمین روم پر غالب آئے گی''۔

پھر قیصر نے دحیہ کو بلایا اور اس سے احترام سے پیش آیا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کا جواب لکھا اور آپ کے لئے دحیہ کے ذریعے ہدیہ بھیجا اور آپ کے نام اپنے خط میں آپ سے اپنی عقیدت اور تعلق کا اظہار کیا۔

یہ بات جاذب نظر ہے کہ جس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط لے کر قیصر روم کے پاس پہونچا تو اس نے خصوصیت کے ساتھ آپ کے قاصد کے سامنے اظہار ایمان کیا یہاں تک کہ وہ رومیوں کو اس دین توحید و اسلام کی دعوت دینا چاہتا تھا، اس نے سوچا کہ پہلے ان کی آزمائش کی جائے، جب اس کی فوج نے محسوس کیا کہ وہ عیسائیت کو ترک کردینا چاہتا ہے تو اس نے اس کے قصر کا محاصرہ کرلیا، قیصر نے ان سے فوراً کہا کہ میں تو تمہیں آزمانا چاہتا تھا اپنی جگہ واپس چلے جاؤ۔

جنگ ذات السلاسل

ہجرت کے آٹھویں سال پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی کہ بارہ ہزار سوار سرزمین ''یابس'' میں جمع ہیں، اور انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ یہ عہد کیا ہے کہ جب تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی علیہ السلام کو قتل نہ کرلیں اور مسلمانوں کی جماعت کو منتشر نہ کردیں آرام سے نہیں بیٹھیں گے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کی ایک بہت بڑی جماعت کو بعض صحابہ کی سرکردگی میں ان کی جانب روانہ کیا لیکن وہ کافی گفتگو کے بعد بغیر کسی نتیجہ کے واپس آئے۔

آخرکار پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو مہاجرین و انصار کے ایک گروہ کثیر کے ساتھ ان سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا، وہ بڑی تیزی کے ساتھ دشمن کے علاقہ کی طرف روانہ ہوئے اور رات بھر میں سارا سفر طے کرکے صبح دم دشمن کو اپنے محاصرہ میں لے لیا، پہلے تو ان کے سامنے اسلام کو پیش کیا، جب انہوں نے قبول نہ کیا تو ابھی فضا تاریک ہی تھی کہ ان پر حملہ کردیا اور انہیں درھم برھم کرکے رکھ دیا، ان میں سے کچھ لوگوں کو قتل کیا، ان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر کرلیا اور بکثرت مال غنیمت کے طور پر حاصل کیا۔

سورہ ''والعادیات'' نازل ہوئی حالانکہ ابھی سربازان اسلام مدینہ کی طرف لوٹ کر نہیں آئے تھے، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دن نماز صبح کے لئے آئے تو اس سورہ کی نماز میں تلاوت کی، نماز کے بعد صحابہ نے عرض کیا، یہ تو ایسا سورہ ہے جسے ہم نے آج تک سنا نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں علی علیہ السلام دشمنوں پر فتح یاب ہوئے ہیں اور جبرائیل نے گزشتہ رات یہ سورہ لاکر مجھے بشارت دی ہے۔

کچھ دن کے بعد علی علیہ السلام غنائم اور قیدیوں کے ساتھ مدینہ میں وارد ہوئے۔ [1]

جنگ حنین [2]

اس جنگ کی ابتداء یوں ہوئی کہ جب ''ہوازن'' جو بہت بڑا قبیلہ تھا اسے فتح مکہ کی خبر ہوئی تو اس کے سردار مالک بن عوف

---

[1] بعض کا نظریہ یہ ہے کہ یہ واقعہ اس سورہ کے واضح مصادیق میں سے ایک ہے، یہ اس کا شان نزول نہیں ہے۔

[2] ذیل آیات 25 تا 27 سورہ توبہ

نے افرادقبیلہ کوجمع کیا اوران سے کہا کہ ممکن ہے فتح مکہ کے بعد محمد ان سے جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں، کہنے لگے کہ مصلحت اس میں ہے کہ اس سے قبل کہ وہ ہم سے جنگ کرے ہمیں قدم آگے بڑھانا چاہئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اطلاع پہونچی تو آپ نے مسلمانوں کوحکم دیا کہ وہ سرزمین ہوازن کی طرف چلنے کوتیار ہوجائیں۔

1 ہجری رمضان المبارک کے آخری دن تھے یا شوال کا مہینہ تھا کہ قبیلہ ہوازن کے افرادسردار ''مالک بن عوف'' کے پاس جمع ہوئے اور اپنا مال، اولاد اورعورتیں بھی اپنے ساتھ لے آئے تاکہ مسلمانوں سے جنگ کرتے وقت کسی کے دماغ میں بھاگنے کا خیال نہ آئے، اسی طرح سے وہ سرزمین ''اوطاس'' میں وارد ہوئے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کا بڑا علم باندھ کر علی علیہ السلام کے ہاتھ میں دیا اور وہ تمام افراد جو فتح مکہ کے موقع پر اسلامی فوج کے کسی دستے کے کمانڈر تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے اسی پرچم کے نیچے حنین کے میدان کی طرف روانہ ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ ''صفوان بن امیہ'' کے پاس ایک بڑی مقدار میں زرہیں ہیں آپ نے کسی کو اس کے پاس بھیجا اور اس سے سو زرہیں عاریتاً طلب کی، صفوان نے پوچھا واقعاً عاریتاً یا غصب کے طور پر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عاریتاً ہیں اور ہم ان کے ضامن ہیں کہ صحیح وسالم واپس کریں گے۔

صفوان نے زرہیں عاریتاً پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے دیں اور خود بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلا۔

فوج میں کچھ ایسے افراد تھے جنہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا، ان کے علاوہ دس ہزار وہ مجاہدین اسلام تھے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ فتح مکہ کے لئے آئے تھے، یہ تعداد مجموعاً بارہ ہزار بنتی ہے، یہ سب میدان جنگ کی طرف چل پڑے۔

دشمن کے لشکر کا مورچہ

''مالک بن عوف'' ایک مرد جری اور ہمت وحوصلے والا انسان تھا، اس نے اپنے قبیلے کوحکم دیا کہ اپنی تلواروں کے نیام توڑ ڈالیں اور پہاڑ کی غاروں میں، دروں کے اطراف میں اور درختوں کے درمیان لشکر اسلام کے راستے میں کمین گاہیں بنائیں اور جب اول صبح کی تاریکی میں مسلمان وہاں پہنچیں تو اچانک اور ایک ہی بار ان پر حملہ کردیں اور اسے فنا کردیں۔

اس نے مزید کہا: محمد کا ابھی تک جنگجو لوگوں سے سامنا نہیں ہوا کہ وہ شکست کا مزہ چکھتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے ہمراہ نماز صبح پڑھ چکے تو آپؐ نے حکم دیا کہ سرزمین حنین کی طرف چل پڑیں، اس موقع پر اچانک لشکر ''ہوازن'' نے ہر طرف سے مسلمانوں پر تیروں کی بوچھار کردی، وہ دستہ جو مقدمہ لشکر میں تھا (اور جس میں مکہ کے نئے نئے مسلمان بھی تھے) بھاگ کھڑا ہوا، اس کے سبب باقی ماندہ لشکر بھی پریشان ہوکر بھاگ کھڑا ہوا۔

خداوندمتعال نے اس موقع پر دشمن کے ساتھ انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دیا اور وقتی طور پر ان کی نصرت سے ہاتھ اٹھالیا کیونکہ مسلمان اپنی کثرت تعداد پر مغرور تھے، لہٰذا ان میں شکست کے آثار آشکار ہوئے، لیکن حضرت علی علیہ السلام جو لشکر اسلام کے علمبردار تھے وہ مٹھی بھر افراد سمیت دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہے اور اسی طرح جنگ جاری رکھے رہے۔

اس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قلب لشکر میں تھے، رسول اللہ کے چچا عباس بنی ہاشم کے چند افراد کے ساتھ آپؐ کے گرد حلقہ باندھے ہوئے تھے، یہ کل افراد نو سے زیادہ نہ تھے دسویں ام ایمن کے فرزند ایمن تھے، مقدمہ لشکر کے سپاہی فرار کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزرے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عباس کو جن کی آواز بلند اور رزوردار تھی کوحکم دیا کہ اس ٹیلے پر جو

قریب ہے چڑھ جائیں اور مسلمانوں کو پکاریں:

"یا معشر المهاجرین والانصار یا اصحاب سورة البقرة یا اهل بیعت الشجرة الی این تفرون هذا رسول الله۔"

اے مہاجرین وانصار اے سورہ بقرہ کے ساتھیو اے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو کہاں بھاگے جارہے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو یہاں ہیں۔ مسلمانوں نے جب عباس کی آواز سنی تو پلٹ آئے اور کہنے لگے: لبیک لبیک

خصوصاً لوٹ آنے والوں میں انصار نے پیش قدمی کی اور فوج دشمن پر ہر طرف سے سخت حملہ کیا اور نصرت الٰہی سے پیش قدمی جاری رکھی یہاں تک کہ قبیلہ ہوازن وحشت زدہ ہو کر ہر طرف بکھر گیا، مسلمان ان کا تعاقب کر رہے تھے، لشکر دشمن میں سے تقریباً ایک سو افراد مارے گئے، ان کے اموال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ لگے اور کچھ ان میں سے قیدی بنا لئے گئے۔

لکھا ہے کہ اس تاریخی واقعہ کے آخر میں قبیلہ ہوازن کے نمائندے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے او ر اسلام قبول کرلیا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے بہت محبت والفت فرمائی، یہاں تک کہ ان کے سربراہ مالک بن عوف نے بھی اسلام قبول کرلیا، آپؐ نے اس کا مال اور قیدی اسے واپس کر دیئے اور اس کے قبیلہ کے مسلمانوں کی سرداری بھی اس کے سپرد کردی۔

درحقیقت ابتداء میں مسلمانوں کی شکست کا اہم عامل غرور وتکبر جو کثرت فوج کی وجہ سے ان میں پیدا ہو گیا تھا، اسکے علاوہ دو ہزار نئے مسلمانوں کا وجود تھا جن میں سے بعض فطری طور پر منافق تھے، کچھ ان میں مال غنیمت کے حصول کے لئے شامل ہو گئے تھے اور بعض بغیر کسی مقصد کے ان میں شامل ہو گئے تھے۔

نہائی کامیابی کا سبب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علی علیہ السلام اور بعض اصحاب کا قیام تھا، اور پہلے والوں کا عہد و پیمان اور خدا پر ایمان اور اس کی مدد پر خاص توجہ باعث بنی کہ مسلمانوں کو اس جنگ میں کامیابی ملی۔

بھاگنے والے کون تھے؟

اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ میدان حنین میں سے اکثریت ابتداء میں بھاگ گئی تھی، جو باقی رہ گئے تھے ان کی تعداد ایک روایت کے مطابق دس تھی اور بعض نے تو ان کی تعداد چار بیان کی ہے بعض نے زیادہ سے زیادہ سو افراد لکھے ہیں۔

بعض مشہور روایات کے مطابق چونکہ پہلے خلفاء بھی بھاگ جانے والوں میں سے تھے لہٰذا بعض اہل سنت مفسرین نے کوشش کی ہے کہ اس فرار کو ایک فطری چیز کے طور پر پیش کیا جائے۔ المنار کے مؤلف لکھتے ہیں: ''جب دشمن کی طرف سے مسلمانوں پر تیروں کی سخت بوچھار ہوئی تو جو لوگ مکہ سے مسلمانوں کے ساتھ مل گئے تھے، اور جن میں منافقین اور ضعیف الایمان بھی تھے اور جو مال غنیمت کے لئے آ گئے تھے وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے میدان میں پشت دکھائی تو باقی لشکر بھی فطری طور پر مضطرب او ر پریشان ہو گیا وہ بھی معمول کے مطابق نہ کہ خوف و ہراس سے، بھاگ کھڑے ہوئے اور یہ ایک فطری بات ہے کہ اگر ایک گروہ فرار ہو جائے تو باقی بھی بے سوچے سمجھے متزلزل ہو جاتے ہیں، لہٰذا ان کا فرار ہونا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد ترک کرنے اور انہیں دشمن کے ہاتھ میں چھوڑ جانے کے طور پر نہیں تھا کہ وہ خدا کے غضب کے مستحق ہوں، ہم اس بات کی تشریح نہیں کرتے اور اس کا فیصلہ پڑھنے والوں پر چھوڑتے ہیں''۔

جنگ تبوک

''تبوک''[1] کا مقام ان تمام مقامات سے دور تھا جہاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جنگوں میں پیش قدمی کی۔ ''تبوک'' اصل میں ایک محکم اور بلند قلعہ کا نام تھا۔ جو حجاز اور شام کی سرحد پر واقع تھا اسی وجہ سے اس علاقے کو سرزمین تبوک کہتے تھے۔

جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کے تیز رفتار نفوذ کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہرت اطراف کے تمام ممالک میں گونجنے لگی باوجودیکہ وہ اس وقت حجاز کی اہمیت کے قائل نہیں تھے لیکن طلوع اسلام اور لشکر اسلام کی طاقت کہ جس نے حجاز کو ایک پرچم تلے جمع کر لیا، نے انہیں اپنے مستقبل کے بارے میں تشویش میں ڈال دیا۔

مشرقی روم کی سرحد حجاز سے ملتی تھی اس حکومت کو خیال ہوا کہ کہیں اسلام کی تیز رفتار ترقی کی وہ پہلی قربانی نہ بن جائے لہٰذا اس نے چالیس ہزار کی زبردست مسلح فوج جو اس وقت کی روم جیسی طاقتور حکومت کے شایان شان تھی اکھٹی کی اور اسے حجاز کی سرحد پر لا کھڑا کیا یہ خبر مسافروں کے ذریعے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کانوں تک پہنچی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روم اور دیگر ہمسایوں کو درس عبرت دینے کے لئے توقف کئے بغیر تیاری کا حکم صادر فرمایا آپ کے منادیوں نے مدینہ اور دوسرے علاقوں تک آپ کا پیغام پہنچایا تھوڑے ہی عرصہ میں تیس ہزار افراد رومیوں سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گئے ان میں دس ہزار سوار اور بیس ہزار پیادہ تھے۔

موسم بہت گرم تھا، غلے کے گودام خالی تھے اس سال کی فصل ابھی اٹھائی نہیں گئی تھی ان حالات میں سفر کرنا مسلمانوں کے لئے بہت ہی مشکل تھا لیکن چونکہ خدا اور رسول کا فرمان تھا لہٰذا ہر حالت میں سفر کرنا تھا اور مدینہ اور تبوک کے درمیان پُرخطر طویل صحرا کو عبور کرنا تھا۔

لشکری مشکلات

اس لشکر کو چونکہ اقتصادی طور پر بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس کا راستہ بھی طولانی تھا راستے میں جلانے والی زہریلی ہوائیں چلتی تھیں سنگریزے اڑتے تھے اور جھکڑ چلتے تھے سواریاں بھی کافی نہ تھیں اس لئے یہ ''جیش العسرۃ'' (یعنی سختیوں والا لشکر) کے نام سے مشہور ہوا۔

تاریخ اسلام نشاندہی کرتی ہے کہ مسلمان کبھی بھی جنگ تبوک کے موقع کی طرح مشکل صورت حال، دباؤ اور زحمت میں مبتلا نہیں ہوئے تھے کیونکہ ایک تو سفر سخت گرمی کے عالم میں تھا دوسرا خشک سالی نے لوگوں کو تنگ اور ملول کر رکھا تھا اور تیسرا اس وقت درختوں سے پھل اتارنے کے دن تھے اور اسی پر لوگوں کی سال بھر کی آمدنی کا انحصار تھا۔

ان تمام چیزوں کے علاوہ مدینہ اور تبوک کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ تھا اور مشرقی روم کی سلطنت کا انہیں سامنا تھا جو اس وقت کی سپر پاور تھی۔

مزید برآں سواریاں اور رسد مسلمانوں کے پاس اتنا کم تھا کہ بعض اوقات دو افراد مجبور ہوتے تھے کہ ایک ہی سواری پر باری باری سفر کریں بعض پیدل چلنے والوں کے پاس جوتا تک نہیں تھا اور وہ مجبور تھے کہ وہ بیابان کی جلانے والی ریت پر پابرہنہ چلیں آب و غذا کی کمی کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات خرمہ کا ایک دانہ چند آدمی یکے بعد دیگرے منہ میں رکھ کر چوستے تھے یہاں تک کہ اس کی صرف گٹھلی رہ جاتی پانی کا ایک گھونٹ کبھی چند آدمیوں کو مل کر پینا پڑتا۔

---

[1] واقعہ جنگ تبوک سورہ توبہ آیت 117 کے ذیل میں بیان ہوا ہے۔

یہ واقعہ نو ہجری یعنی فتح مکہ سے تقریباً ایک سال بعد رونما ہوا۔ مقابلہ چونکہ اس وقت کی ایک عالمی سوپر طاقت سے تھا نہ کہ عرب کے کسی چھوٹے بڑے گروہ سے لہٰذا بعض مسلمان اس جنگ میں شرکت سے خوف زدہ تھے اس صورت حال میں منافقین کے زہریلے پروپیگنڈے اور وسوسوں کے لئے ماحول بالکل سازگار تھا اور وہ بھی مومنین کے دلوں اور جذبات کو کمزور کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہے تھے۔

پھل اتارنے اور فصل کاٹنے کا موسم تھا جن لوگوں کی زندگی تھوڑی سی کھیتی باڑی اور کچھ جانور پالنے پر بسر ہوتی تھی یہ ان کی قسمت کے اہم دن شمار ہوتے تھے کیونکہ ان کی سال بھر کی گزر بسر انہیں چیزوں سے وابستہ تھیں۔

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں مسافت کی دوری اور موسم کی گرمی بھی روکنے والے عوامل کی مزید مدد کرتی تھی اس موقع پر آسمانی وحی لوگوں کی مدد کے لئے آ پہنچی اور قرآنی آیات یکے بعد دیگرے نازل ہوئیں اور ان منفی عوامل کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔

تشویق، سرزنش، اور دھمکی کی زبان

قرآن جس قدر ہوسکتی ہے اتنی سختی اور شدت سے جہاد کی دعوت دیتا ہے۔ کبھی تشویق کی زبان سے کبھی سرزنش کے لہجے میں اور کبھی دھمکی کی زبان میں ان سے بات کرتا ہے، اور انہیں آمادہ کرنے کے لئے ہر ممکن راستہ اختیار کرتا ہے۔ پہلے کہتا ہے: ''کہ خدا کی راہ میں، میدان جہاد کی طرف حرکت کرو تو تم سستی کا مظاہرہ کرتے ہو اور بوجھل پن دکھاتے ہو''۔ [۱]

اس کے بعد ملامت آمیز لہجے میں قرآن کہتا ہے: ''آخرت کی وسیع اور دائمی زندگی کی بجائے اس دنیاوی پست اور ناپائیدار زندگی پر راضی ہوگئے ہو حالانکہ دنیاوی زندگی کے فوائد اور مال ومتاع آخرت کی زندگی کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے اور بہت ہی کم ہیں''۔ [۲]

ایک عقلمند انسان ایسے گھاٹے کے سودے پر کیسے تیار ہوسکتا ہے اور کیونکہ وہ ایک نہایت گراں بہا متاع اور سرمایہ چھوڑ کر ایک ناچیز اور بے وقعت متاع کی طرف جاسکتا ہے۔

اس کے بعد ملامت کے بجائے ایک حقیقی تہدید کا انداز اختیار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے: ''اگر تم میدان جنگ کی طرف حرکت نہیں کروگے تو خدا دردناک عذاب کے ذریعے تمہیں سزا دے گا''۔ [۳]

''اور اگر تم گمان کرتے ہو کہ تمہارے کنارہ کش ہونے اور میدان جہاد سے پشت پھیرنے سے اسلام کی پیش رفت رک جائے گی اور آئینہ الٰہی کی چمک ماند پڑ جائے گی تو تم سخت اشتباہ میں ہو، کیونکہ خدا تمہارے بجائے ایسے صاحبان ایمان کو لے آئے گا جو عزم مصمم رکھتے ہوں گے اور فرمان خدا کے مطیع ہوں گے''۔ [۴]

وہ لوگ کہ جو ہر لحاظ سے تم سے مختلف ہیں نہ صرف ان کی شخصیت بلکہ ان کا ایمان، ارادہ، دلیری اور فرماں برداری بھی تم سے مختلف ہے لہٰذا ''اس طرح تم خدا اور اس کے پاکیزہ دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے''۔ [۵]

---

[۱] سورہ توبہ آیت 38

[۲] سورہ توبہ آیت 38

[۳] سورہ توبہ آیت 39

[۴] سورہ توبہ آیت 39

[۵] سورہ توبہ آیت 39

تنہا وہ جنگ جس میں حضرت علی علیہ السلام نے شرکت نہ کی

اس لشکر کو چونکہ اقتصادی طور پر بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس کا راستہ بھی طولانی تھا راستے میں جلانے والی زہریلی ہوائیں چلتی تھیں سنگریزے اڑتے تھے اور جھکڑ چلتے تھے سواریاں بھی کافی نہ تھیں اس لئے یہ ''جیش العسر ۃ''(یعنی سختیوں والا لشکر) کے نام سے مشہور ہوا اس نے تمام سختیوں کو جھیلا اور ماہ شعبان کی ابتداء میں ہجرت کے نویں سال سرزمین ''تبوک'' میں پہنچا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کو اپنی جگہ پر مدینہ میں چھوڑ آئے تھے یہ واحد غزوہ ہے جس میں حضرت علی علیہ السلام شریک نہیں ہوئے۔

رسول اللہ کا یہ اقدام بہت ہی مناسب اور ضروری تھا کیونکہ بہت احتمال تھا کہ بعض پیچھے رہنے والے مشرکین یا منافقین جو حیلوں بہانوں سے میدان تبوک میں شریک نہ ہوئے تھے، رسول اللہ اور ان کی فوج کی طویل غیبت سے فائدہ اٹھائیں اور مدینہ پر حملہ کردیں، عورتوں اور بچوں کو قتل کردیں اور مدینہ کو تاراج کردیں لیکن حضرت علی علیہ السلام کا مدینہ میں رہ جانا ان کی سازشوں کے مقابلے میں ایک طاقتور رکاوٹ تھی۔

بہرحال جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک میں پہنچے تو وہاں آپ کو رومی فوج کا کوئی نام ونشان نظر نہ آیا عظیم سپاہ اسلام چونکہ کئی جنگوں میں اپنی عجیب وغریب جرأت وشجاعت کا مظاہرہ کرچکی تھی، جب ان کے آنے کی کچھ خبر رومیوں کے کانوں تک پہنچی تو انھوں نے اسی کو بہتر سمجھا کہ اپنے ملک کے اندر چلے جائیں اور اس طرح سے ظاہر کریں کہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے لشکر روم کی سرحدوں پر جمع ہونے کی خبر ایک بے بنیاد افواہ سے زیادہ کچھ نہ تھی کیونکہ وہ ایک ایسی خطرناک جنگ شروع کرنے سے ڈرتے تھے جس کا جواز بھی ان کے پاس کوئی نہ تھا لیکن لشکر اسلام کے اس طرح سے تیز رفتاری سے میدان تبوک میں پہنچنے نے دشمنان اسلام کو کئی درس سکھائے، مثلاً:

1۔ یہ بات ثابت ہوگئی کہ مجاہدین اسلام کا جذبہ جہاد اس قدر قوی ہے کہ وہ اس زمانے کی نہایت طاقتور فوج سے بھی نہیں ڈرتے۔

2۔ بہت سے قبائل اور اطراف تبوک کے امراء پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ سے تعرض اور جنگ نہ کرنے کے عہدو پیمان پر دستخط کیے اس طرح مسلمان ان کی طرف سے آسودہ خاطر ہوگئے۔

3۔ اسلام کی لہریں سلطنت روم کی سرحدوں کے اندر تک چلی گئیں اور اس وقت کے ایک اہم واقعہ کے طور پر اس کی آواز ہر جگہ گونجی اور رومیوں کے اسلام کی طرف متوجہ ہونے کے لئے راستہ ہموار ہوگیا۔

4۔ یہ راستہ طے کرنے اور زحمتوں کو برداشت کرنے سے آئندہ شام کا علاقہ فتح کرنے کے لئے راہ ہموار ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ آخر کار یہ راستہ طے کرنا ہی ہے۔

یہ عظیم فوائد ایسے تھے کہ جن کے لئے لشکر کشی کی زحمت برداشت کی جاسکتی تھی۔

بہرحال پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سنت کے مطابق اپنی فوج سے مشورہ کیا کہ کیا پیش قدمی جاری رکھی جائے یا واپس پلٹ جایا جائے؟

اکثریت کی رائے یہ تھی، کہ پلٹ جانا بہتر ہے اور یہی اسلامی اصولوں کی روح سے زیادہ مناسبت رکھتا تھا خصوصاً جبکہ

اس وقت طاقت فرسا سفر اور راستے کی مشقت وزحمت کے باعث اسلامی فوج کے سپاہی تھکے ہوئے تھے اور ان کی جسمانی قوت مزاحمت کمزور پڑ چکی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رائے کو صحیح قرار دیا اور لشکر اسلام مدینہ کی طرف لوٹ آیا۔

ایک عظیم درس

''ابوحثیمہ''[1] اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے تھا، منافقین میں سے نہ تھا لیکن سستی کی وجہ سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ میدان تبوک میں نہ گیا۔

اس واقعہ کو دس دن گذر گئے، ہوا گرم اور جلانے والی تھی، ایک دن اپنی بیویوں کے پاس آیا انھوں نے ایک سائبان تان رکھا تھا، ٹھنڈا پانی مہیا کر رکھا تھا اور بہترین کھانا تیار کر رکھا تھا، وہ اچانک غم وفکر میں ڈوب گیا اور اپنے پیشوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد اسے ستانے لگی، اس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ جنھوں نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا اور خدا ان کے گذشتہ اور آئندہ کا ذمہ دار ہے، بیابان کی جلا ڈالنے والی ہواؤں میں کندھے پر ہتھیار اٹھائے اس دشوار گذار سفر کی مشکلات اٹھا رہے ہیں اور ابوحثیمہ کو دیکھو کہ ٹھنڈے سائے میں تیار کھانے اور خوبصورت بیویوں کے پاس بیٹھا ہے، کیا یہ انصاف ہے؟

اس کے بعد اس نے اپنی بیویوں کی طرف رخ کیا اور کہا: خدا کی قسم تم میں سے کسی کے ساتھ میں بات نہ کروں گا اور سائبان کے نیچے نہیں بیٹھوں گا جب تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ جاملوں۔

یہ بات کہہ کر اس نے زاد راہ لیا، اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور چل کھڑا ہوا، اس کی بیویوں نے بہت چاہا کہ اس سے بات کریں لیکن اس نے ایک لفظ نہ کہا اور اسی طرح چلتا رہا یہاں تک کہ تبوک کے قریب جا پہنچا۔

مسلمان ایک دوسرے سے کہنے لگے: یہ کوئی سوار ہے جو سڑک سے گذر رہا ہے، لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے سوار تم ابوحثیمہ ہو تو بہتر ہے۔

جب وہ قریب پہنچا اور لوگوں نے اسے پہچان لیا تو کہنے لگے: جی ہاں؛ ابوحثیمہ ہے۔

اس نے اپنا اونٹ زمین پر بٹھایا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا اور اپنا ماجرا بیان کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے خوش آمدید کہا اور اس کے حق میں دعا فرمائی۔

اس طرح وہ ایک ایسا شخص تھا جس کا دل باطل کی طرف مائل ہو گیا تھا لیکن اس کی روحانی آمادگی کی بناء پر خدا نے اسے حق کی طرف متوجہ کیا اور ثبات قدم بھی عطا کیا۔

جنگ تبوک میں شرکت نہ کرنے والے تین لوگ

مسلمانوں میں سے تین افراد کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ نے جنگ تبوک میں شرکت نہ کی اور انھوں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ سفر نہ کیا وہ منافقین میں شامل نہیں ہونا چاہتے تھے بلکہ ایسا انھوں نے سستی اور کاہلی کی بنا پر کیا تھا، تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ وہ اپنے کئے پر نادم اور پشیمان ہو گئے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان تبوک سے مدینہ لوٹے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معذرت کی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ایک لفظ تک نہ کہا اور مسلمانوں کو بھی حکم دیا کہ کوئی شخص ان سے بات چیت نہ کرے وہ ایک عجیب

---

[1] یہ شخص انہیں افراد میں سے تھا جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ سورہ توبہ آیت 117 نازل ہوئی۔

معاشرتی دباؤ کا شکار ہو گئے یہاں تک کہ ان کے چھوٹے بچے اور عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور اجازت چاہی کہ ان سے الگ ہو جائیں، آپؐ نے انہیں علیحدگی کی اجازت تو نہ دی لیکن حکم دیا کہ ان کے قریب نہ جائیں، مدینہ کی فضا اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی، وہ مجبور ہو گئے کہ اتنی بڑی ذلت اور رسوائی سے نجات حاصل کرنے کے لئے شہر چھوڑ دیں اور اطراف مدینہ کے پہاڑوں کی چوٹی پر جا کر پناہ لیں۔

جن باتوں نے ان کے جذبات پر شدید ضرب لگائی ان میں سے ایک یہ تھی کہ کعب بن مالک کہتا ہے: میں ایک دن بازار مدینہ میں پریشانی کے عالم میں بیٹھا تھا کہ ایک شامی عیسائی مجھے تلاش کرتا ہوا آیا، جب اس نے مجھے پہچان لیا تو بادشاہ غسان کی طرف سے ایک خط میرے ہاتھ میں دیا، اس میں لکھا تھا کہ اگر تیرے ساتھی نے تجھے دھتکار دیا ہے تو ہماری طرف چلے آؤ، میری حالت منقلب اور غیر ہوگئی، اور میں نے کہا وائے ہو مجھ پر میرا معاملہ اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ دشمن میرے بارے میں لالچ کرنے لگے ہیں، خلاصہ یہ کہ ان کے اعزاء و اقارب ان کے پاس کھانا لے آتے مگر ان سے ایک لفظ بھی نہ کہتے، کچھ مدت اسی صورت میں گزر گئی اور وہ مسلسل انتظار میں تھے کہ اس کی توبہ قبول ہو اور کوئی آیت نازل ہو جو ان کی توبہ کی دلیل بنے، مگر کوئی خبر نہ تھی۔

اس دوران ان میں سے ایک کے ذہن میں یہ بات آئی اور اس نے دوسروں سے کہا اب جبکہ لوگوں نے ہم سے قطع تعلق کر لیا ہے، کیا ہی بہتر ہے کہ ہم بھی ایک دوسرے سے قطع تعلق کر لیں (یہ ٹھیک ہے کہ ہم گنہ گار ہیں لیکن مناسب ہے کہ دوسرے گنہ گار سے خوش اور راضی نہ ہوں)۔

انھوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ ایک لفظ بھی ایک دوسرے سے نہیں کہتے تھے اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے ساتھ نہیں رہتا تھا، اس طرح پچاس دن انھوں نے توبہ و زاری کی اور آخر کار ان کی توبہ قبول ہوگئی۔ [۱]

مسجد ضرار [۲]

کچھ منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا، ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم قبیلہ "بنی سالم" کے درمیان "مسجد قبا" کے قریب ایک مسجد بنا لیں تاکہ ناتواں بیمار اور بوڑھے جو کوئی کام نہیں کر سکتے اس میں نماز پڑھ لیا کریں۔ اسی طرح جن راتوں میں بارش ہوتی ہے ان میں جو لوگ آپؐ کی مسجد میں نہیں آسکتے اپنے اسلامی فریضہ کو اس میں انجام دے لیا کریں۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ تبوک کا عزم کر چکے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔

انھوں نے مزید کہا: کیا یہ بھی ممکن ہے کہ آپؐ خود آ کر اس میں نماز پڑھیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تو میں سفر کا ارادہ کر چکا ہوں البتہ واپسی پر خدا نے چاہا تو اس مسجد میں آ کر نماز پڑھوں گا۔

جب آپؐ جنگ تبوک سے لوٹے تو یہ لوگ آپؐ کے پاس آئے اور کہنے لگے ہماری درخواست ہے کہ آپؐ ہماری مسجد میں آ کر اس میں نماز پڑھائیں اور خدا سے دعا کریں کہ ہمیں برکت دے۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے دروازے میں داخل نہیں ہوئے تھے اس وقت وحی خدا کا

---

[۱] سورہ توبہ: آیت 118۔ اس سلسلے میں نازل ہوئی ہے۔

[۲] مسجد ضرار کے سلسلے میں سورہ توبہ 107 تا 110 میں بیان ہوا ہے

حامل فرشتہ نازل ہوا اور خدا کی طرف سے پیغام لایا اور ان کے کرتوت سے پردہ اٹھایا۔

اس کے فوراً بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ مذکورہ مسجد کو جلا دیا جائے اور اسکے باقی حصے کو مسمار کر دیا جائے اور اس کی جگہ کوڑا کرکٹ ڈالا جایا کرے۔

ان لوگوں کے ظاہراً کام کو دیکھا جائے تو ہمیں شروع میں تو اس حکم پر حیرت ہوئی کہ کیا بیماروں اور بوڑھوں کی سہولت کے لئے اور اضطراری مواقع کے لئے مسجد بنانا برا کام ہے جبکہ یہ ایک دینی اور انسانی خدمت معلوم ہوتی ہے کیا ایسے کام کے بارے میں یہ حکم صادر ہوا ہے؟ لیکن اگر ہم اس معاملہ کی حقیقت پر نظر کریں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ حکم کس قدر برمحل اور جچا تلا تھا۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ ''ابو عامر'' نامی ایک شخص نے عیسائیت قبول کر لی تھی اور راہبوں کے مسلک سے منسلک ہو گیا تھا۔ اس کا شمار عابدوں میں ہوتا تھا، قبیلہ خزرج میں اس کا گہرا اثر ورسوخ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مدینہ کی طرف ہجرت کی اور مسلمان آپؐ کے گرد جمع ہو گئے تو ابو عامر جو خود بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کی خبر دینے والوں میں سے تھا، اس نے دیکھا کہ اس کے اردگرد سے لوگ چھٹ گئے ہیں اس پر وہ اسلام کے مقابلے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا، وہ مدینہ سے نکلا اور کفار مکہ کے پاس پہنچا، اس نے ان سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگ کے لئے مدد چاہی اور قبائل عرب کو بھی تعاون کی دعوت دی، وہ خود مسلمانوں کے خلاف جنگ احد کی منصوبہ بندی میں شریک رہا تھا، اور راہنمائی کرنے والوں میں سے تھا، اس نے حکم دیا کہ لشکر کی دوصفوں کے درمیان گڑھے کھود دیئے جائیں۔ اتفاقاً پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک گڑھے میں گر پڑے، آپؐ کی پیشانی پر زخم آئے اور دندان مبارک ٹوٹ گئے۔

جنگ احد ختم ہوئی، مسلمانوں کو اس میدان میں آنے والی مشکلات کے باوجود اسلام کی آواز بلند تر ہوئی اور ہر طرف صدائے اسلام گونجنے لگی، تو وہ مدینہ سے بھاگ گیا اور بادشاہ روم ہرقل کے پاس پہنچا تا کہ اس سے مدد چاہے اور مسلمانوں کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر مہیا کرے۔

اس نکتے کا بھی ذکر ضروری ہے کہ اس کی ان کارستانیوں کی وجہ سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ''فاسق'' کا لقب دے رکھا تھا۔

بعض کہتے ہیں کہ موت نے اسے مہلت نہ دی کہ وہ اپنی آرزو ہرقل سے کہتا لیکن بعض دوسری کتب میں ہے کہ وہ ہرقل سے جا کر ملا اور اس کے وعدوں سے مطمئن اور خوش ہوا۔

بہرحال اس نے مرنے سے پہلے مدینہ کے منافقین کو ایک خط لکھا اور انہیں خوشخبری دی کہ روم کے ایک لشکر کے ساتھ وہ ان کی مدد کو آئے گا۔ اس نے انہیں خصوصی تاکید کی کہ مدینہ میں وہ اس کے لئے ایک مرکز بنائیں تا کہ اس کی آئندہ کی کارگزاریوں کے لئے وہ کام دے سکے لیکن ایسا مرکز چونکہ مدینہ میں اسلام دشمنوں کی طرف سے اپنے نام پر قائم کرنا عملی طور پر ممکن نہ تھا۔ لہٰذا منافقین نے مناسب یہ سمجھا کہ مسجد کے نام پر بیماروں اور معذوروں کی مدد کی صورت میں اپنے پروگرام کو عملی شکل دیں۔

آخر کار مسجد تعمیر ہو گئی یہاں تک کہ مسلمانوں میں سے ''مجمع بن حارثہ'' (یا مجمع بن جاریہ) نامی ایک قرآن فہم نوجوان کو مسجد کی امامت کے لئے بھی چن لیا گیا لیکن وحی الٰہی نے ان کے کام سے پردہ اٹھا دیا۔

یہ جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ تبوک کی طرف جانے سے قبل ان کے خلاف سخت کاروائی کا حکم نہیں دیا اس کی وجہ شاید ایک تو ان کی حقیقت زیادہ واضح ہو جائے اور دوسرا یہ کہ تبوک کے سفر میں اس طرف سے کوئی اور ذہنی پریشانی نہ ہو۔ بہرحال جو کچھ بھی

تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ مسجد میں نماز نہیں پڑھی بلکہ بعض مسلمانوں (مالک بن دخشم، معنی بن عدی اور عامر بن سکر یا عاصم بن عدی) کو حکم دیا کہ مسجد کو جلا دیں اور پھر اس کی دیواروں کو مسمار کروا دیا۔ اور آخر کار اسے کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ قرار دے دیا۔

مسجد قباء

یہ بات قابل توجہ ہے کہ خداوند عالم اس حیات بخش حکم کی مزید تاکید کے لئے خداوند متعال فرماتا ہے کہ اس مسجد میں ہرگز قیام نہ کرو اور اس میں نماز نہ پڑھو۔[۱]

''بلکہ اس مسجد کے بجائے زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس مسجد میں عبادت قائم کرو جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے''۔[۲]

نہ یہ کہ یہ مسجد جس کی بنیاد روز اول ہی سے کفر، نفاق، بے دینی اور تفرقہ پر رکھی گئی ہے۔

''مفسرین نے کہا ہے کہ جس مسجد کے بارے میں مندرجہ بالا جملے میں کہا گیا ہے کہ زیادہ مناسب یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں نماز پڑھیں اس سے مراد ''مسجد قبا'' ہے کہ جس کے قریب منافقین نے مسجد ضرار بنائی تھی''۔

اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے: ''کہ علاوہ اس کے کہ اس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے، مردوں کا ایک گروہ اس میں مشغول عبادت ہے جو پسند کرتا ہے کہ اپنے آپ کو پاک و پاکیزہ رکھے اور خدا پاکباز لوگوں کو دوست رکھتا ہے''۔[۳]

سب سے پہلی نماز جمعہ

پہلا جمعہ جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کے ساتھ پڑھا وہ اس وقت پڑھا گیا جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ جب آپؐ مدینہ میں وارد ہوئے تو اس دن پیر کا دن بارہ ربیع الاول اور ظہر کا وقت تھا۔ حضرت چار دن تک ''قبا'' میں رہے اور مسجد قبا کی بنیاد رکھی، پھر جمعہ کے دن مدینہ کی طرف روانہ ہوئے (قباء اور مدینہ کے درمیان فاصلہ بہت ہی کم ہے اور موجودہ وقت میں قبا مدینہ کا ایک داخلی محلہ ہے)

اور نماز جمعہ کے وقت آپ محلہ ''بنی سالم'' میں پہنچے وہاں نماز جمعہ ادا فرمائی اور یہ اسلام میں پہلا جمعہ تھا جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادا کیا۔ جمعہ کی نماز میں آپؐ نے خطبہ بھی پڑھا۔ جو مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا خطبہ تھا۔

واقعہ غدیر

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا آخری سال تھا ''حجۃ الوداع'' کے مراسم جس قدر باوقار و پرشکوہ ہو سکتے تھے اس قدر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمراہی میں اختتام پذیر ہوئے۔ سب کے دل روحانیت سے سرشار تھے ابھی ان کی روح اس عظیم عبادت کی معنوی لذت کا ذائقہ محسوس کر رہی تھی۔ اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کی تعداد بہت زیادہ تھی اس عظیم نعمت سے فیض یاب ہوئے اور اس سعادت کے حاصل ہونے پر جامے میں پھولے نہیں سماتے تھے۔

نہ صرف مدینہ کے لوگ اس سفر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے بلکہ جزیرہ نمائے عرب کے دیگر مختلف حصوں کے مسلمان

---

[۱] سورہ توبہ آیت 108

[۲] سورہ توبہ آیت 108

[۳] سورہ توبہ آیت 108

بھی یہ عظیم تاریخی اعزاز وافتخار حاصل کرنے کے لئے آپؐ کے ہمراہ تھے۔

سرزمین حجاز کا سورج دروں اور پہاڑوں پر آگ برسا رہا تھا لیکن اس سفر کی بے نظیر روحانی مٹھاس تمام تکلیفوں کو آسان بنا رہی تھی۔ زوال کا وقت نزدیک تھا۔ آہستہ آہستہ ''جحفہ'' کی سرزمین اور اس کے بعد خشک اور جلانے والے ''غدیر خم'' کے بیابان نظر آنے لگے۔

دراصل یہاں پر ایک چوراہا ہے جو حجاز کے لوگوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔ شمالی راستہ مدینہ کی طرف دوسرا مشرقی راستہ عراق کی طرف، تیسرا مغربی ممالک اور مصر کی طرف اور چوتھا جنوبی راستہ سرزمین یمن کو جاتا ہے یہی وہ مقام ہے جہاں پر آخری مقصد اور اس عظیم سفر کا اہم ترین کام انجام پذیر ہوتا تھا تاکہ مسلمان پیغمبرؐ کی اہم ذمہ داریوں میں سے ان کا آخری حکم جان کر ایک دوسرے سے جدا ہوں۔

جمعرات کا دن تھا اور ہجرت کا دسواں سال۔ آٹھ دن عید قربان کو گزرے تھے کہ اچانک پیغمبرؐ کی طرف سے ان کے ہمراہیوں کو ٹھہر جانے کا حکم دیا گیا۔ مسلمانوں نے بلند آواز سے ان لوگوں کو جو قافلے کے آگے چل رہے تھے واپس لوٹنے کے لئے پکارا اور اتنی دیر کے لئے ٹھہر گئے کہ پیچھے آنے والے لوگ بھی پہنچ جائیں۔ آفتاب خط نصف النہار سے گزر گیا تو پیغمبرؐ کے موذن نے ''اللہ اکبر'' کی صدا کے ساتھ لوگوں کو نماز ظہر پڑھنے کی دعوت دی۔ مسلمان جلدی جلدی نماز پڑھنے کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن فضاء اتنی گرم تھی کہ بعض لوگ مجبور تھے کہ وہ اپنی عبا کا کچھ حصہ پاؤں کے نیچے اور باقی سر کے اوپر لے لیں، ورنہ بیابان کی گرم ریت اور سورج کی شعاعیں ان کے سر اور پاؤں کو تکلیف دے رہی تھیں۔

اس صحرا میں کوئی سائبان نظر نہ آتا تھا اور نہ ہی کوئی سبزہ یا گھاس صرف چند بے برگ وبار بیابانی درخت تھے جو گرمی کا سختی کے ساتھ مقابلہ کر رہے تھے کچھ لوگ انہی چند درختوں کا سہارا لئے ہوئے تھے اور انہوں نے ان برہنہ درختوں پر ایک کپڑا ڈال رکھا تھا اور پیغمبرؐ کے لئے ایک سائبان سا بنا رکھا تھا لیکن گرم ہوا اس سائبان کے نیچے سے گزرتی ہوئی سورج کی جلانے والی گرمی کو اس سائبان کے نیچے بھی پھیلا رہی تھی۔ بہرحال ظہر کی نماز پڑھ لی گئی۔

خطبہ غدیر

مسلمان ارادہ کر رہے تھے کہ فوراً اپنے چھوٹے چھوٹے خیموں میں جا کر پناہ لیں جو انھوں نے اپنے ساتھ اٹھا رکھے تھے لیکن رسول اللہؐ نے انہیں آگاہ کیا کہ وہ سب کے سب خداوند تعالیٰ کا ایک نیا پیغام سننے کے لئے تیار ہوں جسے ایک مفصل خطبے کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

جو لوگ رسول اللہؐ سے دور تھے وہ پیغمبرؐ کا ملکوتی چہرہ اس عظیم اجتماع میں دور سے دیکھ نہیں پا رہے تھے لہٰذا اونٹوں کے پالانوں کا منبر بنایا گیا۔ پیغمبرؐ اس کے اوپر تشریف لے گئے۔ پہلے پروردگار عالم کی حمد وثنا بجا لائے اور خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے یوں خطاب فرمایا: میں عنقریب خداوند متعال کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے تمہارے درمیان سے جا رہا ہوں، میں بھی جوابدہ ہوں اور تم بھی جوابدہ ہو، تم میرے بارے میں کیا گواہی دو گے لوگوں نے بلند آواز میں کہا:

''ہم گواہی دیں گے کہ آپؐ نے فریضہ رسالت انجام دیا اور خیر خواہی کی ذمہ داری کو انجام دیا اور ہماری ہدایت کی راہ میں سعی وکوشش کی، خدا آپؐ کو جزائے خیر دے''۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کیا تم لوگ خدا کی وحدانیت، میری رسالت اور روز قیامت کی حقانیت اور اس دن مردوں کے قبروں سے مبعوث ہونے کی گواہی نہیں دیتے؟

سب نے کہا: کیوں نہیں ہم سب گواہی دیتے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا: خداوند گواہ رہنا۔

آپؐ نے مزید فرمایا: اے لوگو کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟

انہوں نے کہا: جی ہاں۔

اس کے بعد سارے بیابان پر سکوت کا عالم طاری ہوگیا۔ سوائے ہوا کی سنسناہٹ کے کوئی چیز سنائی نہیں دیتی تھی۔
پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دیکھو میں تمہارے درمیان دو گراں مایہ اور گراں قدر چیزیں بطور یادگار چھوڑے جا رہا ہوں تم ان کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟

حاضرین میں سے ایک شخص نے پکار کر کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ دو گراں مایہ چیزیں کونسی ہیں؟

تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پہلی چیز تو اللہ تعالی کی کتاب ہے جو ثقل اکبر ہے۔ اس کا ایک سرا تو پروردگار عالم کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھ میں ہے، اس سے ہاتھ نہ ہٹانا ورنہ تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ دوسری گرانقدر یادگار میرے اہل بیت ہیں اور مجھے خدائے لطیف وخبیر نے خبر دی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ بہشت میں مجھ سے آملیں گے۔

ان دونوں سے آگے بڑھنے (اور ان سے تجاوز کرنے) کی کوشش نہ کرنا اور نہ ہی ان سے پیچھے رہنا کہ اس صورت میں بھی تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

اچانک لوگوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اردگرد نگاہیں دوڑا رہے ہیں گویا کسی کو تلاش کر رہے ہیں جونہی آپؐ کی نظر حضرت علی علیہ السلام پر پڑی فوراً ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور انہیں اتنا بلند کیا کہ دونوں کی بغلوں کے نیچے کی سفیدی نظر آنے لگی اور سب لوگوں نے انہیں دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ تو اسلام کا وہی سپہ سالار ہے کہ جس نے کبھی شکست کا منہ نہیں دیکھا۔

اس موقع پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز زیادہ نمایاں اور بلند ہوگئی اور آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"ایها الناس من اولی الناس بالمومنین من انفسهم"

یعنی اے لوگو بتاؤ وہ کون ہے جو تمام لوگوں کی نسبت مومنین پر خود ان سے زیادہ اولیت رکھتا ہے؟ اس پر سب حاضرین نے بہ یک آواز جواب دیا کہ خدا اور اس کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔

تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خدا میرا مولا اور رہبر ہے اور میں مومنین کا مولا اور رہبر ہوں اور ان کے اوپر ان کی نسبت خود ان سے زیادہ حق رکھتا ہوں (اور میرا ارادہ ان کے ارادے سے مقدم ہے)۔

اس کے بعد فرمایا:

"فمن کنت مولاه فهذا علی مولاه"۔

"یعنی جس جس کا میں مولاہ ہوں علی علیہ السلام بھی اس اس کے مولاہ اور رہبر ہے"۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جملے کی تین مرتبہ تکرار کی اور بعض راویوں کے قول کے مطابق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جملہ چار مرتبہ دہرایا اور اس کے بعد آسمان کی طرف سر بلند کر کے بارگاہ خداوندی میں عرض کی:۔

"اللّھم وال من والاہ وعاد من عاداہ واحب من احبہ و ابغض من ابغضہ و انصر من نصرہ واخذل من خذلہ، وادر الحق معہ حیث دار۔"

یعنی بار الہا جو اس کو دوست رکھے تو اس کو دوست رکھ اور جو اس سے دشمنی کرے تو اس سے دشمنی رکھ۔ جو اس سے محبت کرے تو اس سے محبت کر اور جو اس سے بغض رکھے تو اس سے بغض رکھ۔ جو اس کی مدد کرے تو اس کی مدد کر۔ جو اس کی مدد سے کنارہ کشی کرے تو اسے اپنی مدد سے محروم رکھ اور حق کو ادھر پھیر دے جدھر وہ رخ کرے۔

اس کے بعد فرمایا:

"تمام حاضرین آگاہ ہو جائیں اس بات پر کہ یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بات کو ان لوگوں تک پہنچائیں جو یہاں پر اور اس وقت موجود نہیں ہیں"۔

روز اکمال دین

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبہ ختم ہو گیا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پسینے میں شرابور تھے حضرت علی علیہ السلام بھی پسینے میں نہائے ہوئے تھے۔ دوسرے تمام حاضرین کے بھی سر سے پاؤں تک پسینہ بہہ رہا تھا۔

ابھی اس جمعیت کی صفیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئی تھیں کہ جبرائیل علیہ السلام امین وحی لے کر نازل ہوئے اور تکمیل دین کی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بایں الفاظ بشارت دی:

"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی"۔[1]

"آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین اور آئین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر تمام کر دیا"۔

اتمام نعمت کا پیغام سن کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ اکبر اللہ اکبر علی اکمال الدین واتمام النعمۃ ورضی الرب برسالتی والولایۃ لعلی من بعدی"۔

"ہر طرح کی بزرگی و بڑائی خدا ہی کے لئے ہے کہ جس نے اپنے دین کو کامل فرمایا اور اپنی نعمت کو ہم پر تمام کیا اور میری نبوت و رسالت اور میرے بعد کے لئے علی علیہ السلام کی ولایت کے لئے خوش ہوا"

امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے اعلان سن کر حاضرین میں مبارک باد کا شور برپا ہوا لوگ بڑھ چڑھ کر اس اعزاز و منصب پر حضرت علی علیہ السلام کو اپنی طرف سے مبارک باد پیش کر رہے تھے۔ معروف شخصیتوں میں سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی طرف سے مبارک باد کے یہ الفاظ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں کہ انہوں نے کہا:

"بخ بخ لک یا بن ابی طالب اصبحت و امسیت مولائی و مولا کل مومن و مومنۃ"

"مبارک ہو مبارک ہو اے فرزند ابی طالب کہ آپؑ میرے اور تمام صاحبان ایمان مردوں اور عورتوں کے مولا اور رہبر

---

[1] سورہ مائدہ آیت 3

ہو گئے‘‘۔

اس وقت ابن عباس نے کہا: بخدا یہ عہد و پیمان سب کی گردنوں میں باقی رہے گا‘‘۔[1]

فدک

فدک اطراف مدینہ میں تقریباً ایک سو چالیس کلومیٹر کے فاصلہ پر خیبر کے نزدیک ایک آباد قصبہ تھا۔ جب سات ہجری میں خیبر کے قلعے یکے بعد دیگر افواج اسلامی نے فتح کر لئے اور یہودیوں کی مرکزی قوت ٹوٹ گئی تو فدک کے رہنے والے یہودی صلح کے خیال سے بارگاہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سر تسلیم خم کرتے ہوئے آئے اور انہوں نے اپنی آدھی زمینیں اور باغات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کر دیئے اور آدھے اپنے پاس رکھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حصہ کی زمینوں کی کاشتکاری بھی اپنے ذمہ لی۔ اپنی کاشتکاری کی زحمت کی اجرت وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وصول کرتے تھے، سورہ حشر کی آیات کے پیش نظر اس کی طرف توجہ کرتے ہوئے یہ زمینیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت خاص تھیں۔ ان کی آمدنی کو آپؐ اپنے مصرف میں لاتے تھے یا ان مدات میں خرچ کرتے تھے جن کی طرف اس سورہ کی آیت نمبر ۷ میں اشارہ ہوا ہے۔

لہٰذا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ساری زمینیں اپنی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کو عنایت فرما دیں۔ یہ ایسی حقیقت ہے جسے بہت سے شیعہ اور اہل سنت مفسرین نے تصریح کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ منجملہ دیگر مفسرین کے تفسیر درالمنثور میں ابن عباس سے مروی ہے کہ جس وقت آیت **(فات ذا القربی حقه)**[2] نازل ہوئی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کو فدک عنایت فرمایا: کتاب کنز العمال جو مسند احمد کے حاشیہ پر لکھی گئی ہے، میں صلہ رحم کے عنوان کے ماتحت ابو سعید خدری سے منقول ہے کہ جس وقت مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہ سلام اللہ علیہا کو طلب کیا اور فرمایا:

”**یا فاطمة لك فدك**“

”اے فاطمہ علیہا السلام فدک تیری ملکیت ہے“۔

حاکم نیشاپوری نے بھی اپنی تاریخ میں اس حقیقت کو تحریر کیا ہے۔

ابن ابی الحدید معتزلی نے بھی نہج البلاغہ کی شرح میں داستان فدک تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے اور اسی طرح بہت سے دیگر مؤرخین نے بھی۔ لیکن وہ افراد جو اس اقتصادی قوت کو حضرت علی علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کے قبضہ میں رہنے دینا اپنی سیاسی قوت کے لئے مضر سمجھتے تھے، انہوں نے مصمم ارادہ کیا کہ حضرت علی علیہ السلام کے یار و انصار کو ہر لحاظ سے کمزور اور گوشہ نشین کر دیں۔ حدیث مجہول (نحن معاشر الانبیاء ولا نورث) کے بہانے انہوں نے اسے اپنے قبضہ میں لے لیا اور باوجودیکہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا قانونی طور پر اس پر متصرف تھیں اور کوئی شخص ”ذوالید“ (جس کے قبضہ میں مال ہو) سے گواہ کا مطالبہ نہیں کرتا، جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے گواہ طلب کیے گئے۔ بی بی نے گواہ پیش کیے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود انہیں فدک عطا فرمایا ہے لیکن انہوں نے ان تمام چیزوں کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ بعد میں آنے والے خلفاء میں سے جو کوئی اہلبیت سے محبت کا اظہار کرتا تو وہ فدک انہیں لوٹا دیتا لیکن زیادہ دیر نہ گزرتی کہ دوسرا خلیفہ اسے چھین لیتا اور دوبارہ اس پر قبضہ کر لیتا۔ خلفائے بنی امیہ اور خلفائے بنی عباس بارہا یہ اقدام کرتے رہے۔

---

[1] اس سلسلے میں مزید آگہی کے لئے کتاب الغدیر، علامہ امینی، احقاق الحق، قاضی نور اللہ شوشتری، المراجعات شرف الدین اور دلائل الصدق محمد حسین مظفر پر رجوع کریں۔

[2] سورہ روم آیت 38

واقعہ فدک اور اس سے تعلق رکھنے والے مختلف النوع حوادث جو صدر اسلام میں اور بعد کے ادوار میں پیش آئے، زیادہ دردناک اور غم انگیز ہیں اور وہ تاریخ اسلام کا ایک عبرت انگیز حصہ بھی ہیں جو محققانہ طور پر مستقل مطالعہ کا متقاضی ہے تاکہ تاریخ اسلام کے مختلف حوادث نگاہوں کے سامنے آسکیں۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اہل سنت کے نامور محدث مسلم بن حجاج نیشاپوری نے اپنی مشہور و معروف کتاب ''صحیح مسلم'' میں جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کا خلیفہ اول سے فدک کے مطالبہ کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے، اور جناب عائشہ کی زبانی نقل کیا ہے کہ جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کو جب خلیفہ اول نے فدک نہیں دیا تو بی بی ان سے ناراض ہوگئی اور آخر عمر ان سے کوئی گفتگو نہیں کی۔[1]

''نحن معاشر الانبیاء لانورث''

اہل سنت کی مختلف کتابوں میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ایک حدیث موجود ہے جو اس طرح کے مضمون پر مشتمل ہے:

''نحن معاشر الانبياء لا نورث ما تركناه صدقة''

''ہم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگ اپنی میراث نہیں چھوڑتے جو ہم سے رہ جائے اسے راہ خدا میں صدقے کے طور پر خرچ کر دیا جائے''۔

اور بعض کتابوں میں ''لانورث'' کا جملہ نہیں ہے بلکہ ''ما ترکناہ صدقۃ'' کی صورت میں نقل کیا گیا ہے۔

اس روایت کی سند عام طور پر ابوبکر تک جا کر ختم ہوجاتی ہے جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مسلمانوں کی زمام امور اپنے قبضے میں لے لی تھی۔ اور جب حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا یا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض بیویوں نے ان سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث کا مطالبہ کیا تو انھوں نے اس حدیث کا سہارا لے کر انہیں میراث سے محروم کر دیا۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح (جلد 3 کتاب الجهاد والسير ص 1379) میں، بخاری نے جزو ہشتم کتاب الفرائض کے صفحہ 185 پر اور اسی طرح بعض دیگر افراد نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ مذکورہ کتابوں میں سے بخاری میں بی بی عائشہ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے: فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور جناب عباس بن عبدالمطلب (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد) ابوبکر کے پاس آئے اور ان سے اپنی میراث کا مطالبہ کیا۔ اس وقت انھوں نے اپنی فدک کی اراضی اور خیبر سے ملنے والی میراث کا مطالبہ کیا تو ابوبکر نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ ''ہم میراث میں کوئی چیز نہیں چھوڑتے، جو کچھ ہم سے رہ جائے وہ صدقہ ہوتا ہے''۔

جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے جب یہ سنا تو ناراض ہو کر وہاں سے واپس آ گئیں اور مرتے دم تک ان سے بات نہیں کی۔

البتہ یہ حدیث مختلف لحاظ سے تجزیہ و تحلیل کے قابل ہے لیکن اس تفسیر میں ہم چند ایک نکات بیان کریں گے:

1۔ یہ حدیث، قرآنی متن کے مخالف ہے اور اس اصول اور کلیہ قاعدہ کی رو سے نا قابل اعتبار ہے کہ جو بھی حدیث کتاب اللہ کے مطابق نہ ہو اس پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے اور ایسی حدیث کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا دیگر معصومین علیھم السلام کا قول سمجھ کر قبول نہیں کیا جاسکتا۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب جہاد ج 3 ص 1380 حدیث 52

ہم قرآنی آیات میں پڑھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جناب داؤد علیہ السلام کے وارث بنے اور آیت کا ظاہر مطلق ہے کہ جس میں اموال بھی شامل ہیں۔ جناب یحییٰ علیہ السلام اور زکریا علیہ السلام کے بارے میں ہے:

"یَرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ"

''خداوندا مجھے ایسا فرزند عطا فرما جو میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے''۔ [۱]

حضرت ''زکریا علیہ السلام'' کے بارے میں تو بہت سے مفسرین نے مالی وراثت پر زور دیا ہے۔

اس کے علاوہ قرآن مجید میں ''وراثت'' کی آیات کا ظاہر بھی عمومی ہے کہ جو بلا استثناء سب کے لئے ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کے مشہور عالم علامہ قرطبی نے مجبور ہو کر اس حدیث کو غالب اور اکثر فعل کی حیثیت سے قبول کیا ہے نہ کہ عمومی کلیہ کے طور پر اور اس کے لئے یہ مثال دی ہے کہ عرب ایک جملہ کہتے ہیں:

"انا معشر العرب اقری الناس للضیف"۔

ہم عرب لوگ دوسرے تمام افراد سے بڑھ کر مہمان نواز ہیں (حالانکہ یہ کوئی عمومی حکم نہیں ہے)۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات اس حدیث کی اہمیت کی نفی کر رہی ہے کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں اس قسم کا عذر قبول کر لئے تو پھر دوسرے کے لئے بھی یہ قطعی نہیں رہ جاتی۔

2۔ مندرجہ بالا روایت ان کے خلاف ہے جن سے معلوم ہوتا ہو کہ ابوبکر نے جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو فدک واپس لوٹا نے کا پختہ ارادہ کر کیا تھا لیکن دوسرے لوگ اس میں حائل ہو گئے تھے چنانچہ سیرت حلبی میں ہے:

فاطمہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر کے پاس اس وقت آئیں جب وہ منبر پر تھے۔ انھوں نے کہا:

''اے ابوبکر کیا یہ چیز قرآن میں ہے کہ تمہاری بیٹی تمہاری وراث بنے لیکن میں اپنے باپ کی میراث نہ لوں''؟

یہ سن کر ابوبکر رونے لگے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے پھر وہ منبر سے نیچے اترے اور فدک کی واپسی کا پروانہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو لکھ دیا۔ اسی اثناء میں عمر آ گئے۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے یہ تحریر لکھ دی ہے تا کہ فاطمہ کو ان کے باپ سے ملنے والی وراثت واپس لوٹا دوں عمر نے کہا: اگر آپ یہ کام کریں گے تو پھر دشمنوں کے ساتھ جنگی اخراجات کہاں سے پورے کریں گے؟

جبکہ عربوں نے آپ کے خلاف قیام کیا ہوا ہے۔ یہ کہا اور تحریر لے کر اسے پارہ پارہ کر دیا۔ [۲]

یہ کیونکر ممکن ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو صریحی طور پر ممانعت کی ہو اور ابوبکر اس کی مخالفت کی جرأت کریں؟ اور پھر عمر نے جنگی اخراجات کا تو سہارا لیا لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پیش نہیں کی۔

مندرجہ بالا روایت پر اگر اچھی طرح غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ممانعت کا سوال نہیں تھا۔ بلکہ سیاسی مسائل آڑے تھے اور ایسے موقع پر معتزلی عالم ابن ابی الحدید کی گفتگو یاد آ جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

میں نے اپنے استاد ''علی بن فارقی'' سے پوچھا کہ کیا فاطمہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دعویٰ میں سچی تھیں؟ تو انھوں نے کہا جی ہاں پھر

---

[۱] سورہ مریم آیت 6

[۲] سیرہ حلبی ج 3 ص 361

میں نے پوچھا تو ابوبکر انہیں سچا اور برحق بھی سمجھتے تھے۔

اس موقع پر میرے استاد نے معنی خیز تبسم کے ساتھ نہایت ہی لطیف اور پیارا جواب دیا حالانکہ انکی مذاق کی عادت نہیں تھی، انھوں نے کہا: اگر وہ آج انہیں صرف ان کے دعویٰ کی بناء پر ہی فدک دے دیتے تو پھر نہ تو ان کے لئے کسی عذر کی گنجائش باقی رہتی اور نہ ہی ان سے موافقت کا امکان''۔[1]

3۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مشہور حدیث ہے جسے شیعہ اور سنی سب نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے، حدیث یہ ہے: ''العلماء ورثة الانبیاء''۔ ''علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں''۔

نیز یہ قول بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے منقول ہے:

''ان الانبیاء لم یورثوا دیناراً ولا درهماً''۔

''انبیاء اپنی میراث میں نہ تو دینار چھوڑتے ہیں اور نہ ہی درہم''۔

ان دونوں حدیثوں کو ملا کر پڑھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اصل مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو یہ بات باور کرائیں کہ انبیاء کے لئے سرمایہ افتخار ان کا علم ہے اور اہم ترین چیز جو وہ یادگار کے طور پر چھوڑ جاتے ہیں ان کا ہدایت وراہنمائی کا پروگرام ہے اور جو لوگ علم ودانش سے زیادہ بہرہ مند ہوں گے وہی انبیاء کے اصلی وارث ہوں گے۔ بجائے اس کے کہ ان کی مال پر نگاہ ہو اور اسے یادگار کے طور پر چھوڑ جائیں۔ اس کے بعد اس حدیث کے نقل بہ معنی کر دیا گیا اور اس کی غلط تعبیریں کی گئیں اور شاید ''ما ترکناہ صدقة'' والے جملے کا بعض روایات میں اس پر اضافہ کر دیا گیا۔

مباہلہ

خداوند عالم نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ ان واضح دلائل کے بعد بھی کوئی شخص تم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں گفتگو اور جھگڑا کرے تو اسے ''مباہلہ'' کی دعوت دو اور کہو کہ وہ اپنے بچوں، عورتوں اور نفسوں کو لے آئے اور تم بھی اپنے بچوں کو عورتوں اور نفس کو بلا لو پھر دعا کرو تا کہ خدا جھوٹوں کو رسوا کر دے۔

بغیر کہے یہ بات واضح ہے جب کہ مباہلہ سے مراد یہ نہیں کہ طرفین جمع ہوں، اور ایک دوسرے پر لعنت اور نفرین کریں اور پھر منتشر ہو جائیں کیونکہ یہ عمل تو نتیجہ خیز نہیں ہے۔

بلکہ مراد یہ ہے کہ دعا اور نفرین عملی طور پر اپنا اثر ظاہر کرے اور جو جھوٹا ہو فوراً عذاب میں گرفتار ہو جائے۔

آیات میں مباہلہ کا نتیجہ تو بیان نہیں کیا گیا لیکن چونکہ یہ طریقہ کار منطق واستدلال کے غیر مؤثر ہونے پر اختیار کیا گیا تھا اس لئے یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ مقصود صرف دعا نہ تھی بلکہ اس کا خاجی اثر پیش نظر تھا۔

مباہلہ کا مسئلہ عرب میں کبھی پیش نہیں آیا تھا، اور اس راستہ سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صدقت وایمان کو اچھی سرح سمجھا جا سکتا تھا، کیسے ممکن ہے کہ جو شخص کامل ارتباط کے ساتھ خدا پر ایمان نہ رکھتا ہو وہ ایسے میدان کی طرف آئے اور مخالفین کو دعوت دی کہ آؤ اکھٹے درگاہ خدا میں چلیں، اس سے درخواست کریں اور دعا کریں کہ وہ جھوٹے کو رسوا کر دے اور پھر یہ بھی کہے کہ تم عنقریب اس کا نتیجہ خود دیکھ لو گے کہ خدا کس طرح جھوٹوں کو سزا دیتا ہے اور عذاب کرتا ہے۔

---

[1] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید جلد۔16 ص284

یہ مسلم ہے کہ ایسے میدان کا رخ کرنا بہت خطرناک معاملہ ہے کیونکہ اگر دعوت دینے والے کی دعا قبول نہ ہوئی اور مخالفین کو ملنے والی سزا کا اثر واضح نہ ہوا تو نتیجہ دعوت دینے والے کی رسوائی کے علاوہ کچھ نہ ہوگا۔

کیسے ممکن ہے کہ ایک عقلمند اور سمجھ دار انسان نتیجے کے متعلق اطمینان کئے بغیر اس مرحلے میں قدم رکھے۔ اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے دعوت مباہلہ اپنے نتائج سے قطع نظر، آپؐ کی دعوت کی صداقت اور ایمان کی دلیل بھی ہے۔

اسلامی روایات میں ہے کہ ''مباہلہ'' کی دعوت دی گئی تو نجران کے عیسائیوں کے نمائندے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آپؐ سے مہلت چاہی تا کہ اس بارے میں سوچ بچار کر لیں اور اس سلسلے میں اپنے بزرگوں سے مشورہ کر لیں۔ مشورہ کی یہ بات ان کی نفسیاتی حالت کی چغلی کھاتی ہے۔

بہر حال مشورے کا نتیجہ یہ نکلا کہ عیسائیوں کے مابین یہ طے پایا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شور وغل، مجمع اور داد وفریاد کے ساتھ ''مباہلہ'' کے لئے آئیں تو ڈرا نہ جائے اور مباہلہ کر لیا جائے کیونکہ اگر اس طرح آئیں تو پھر حقیقت کچھ بھی نہیں، جب بھی شور وغل کا سہارا لیا جائے گا اور اگر وہ بہت محدود افراد کے ساتھ آئیں، بہت قریبی خواص اور چھوٹے بچوں کو لے کر وعدہ گاہ میں پہنچیں تو پھر جان لینا چاہیے کہ وہ خدا کے پیغمبر ہیں اور اس صورت میں اس سے ''مباہلہ'' کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ اس صورت میں معاملہ خطرناک ہے۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق عیسائی میدان مباہلہ میں پہنچے تو اچانک دیکھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بیٹے حسین علیہ السلام کو گود میں لئے حسن علیہ السلام کا ہاتھ پکڑے اور علی علیہ السلام اور فاطمہ علیہا السلام کو ہمراہ لئے آ پہنچے ہیں اور انہیں فرما رہے ہیں کہ جب میں دعا کروں، تم آمین کہنا۔

عیسائیوں نے یہ کیفیت دیکھی تو انتہائی پریشان ہوئے اور مباہلہ سے رک گئے اور صلح ومصالحت کے لئے تیار ہو گئے اور اہل ذمہ کی حیثیت سے رہنے پر آمادہ ہو گئے۔

عظمت اہل بیت علیہم السلام کی ایک زندہ سند

شیعہ اور سنی مفسرین اور محدثین نے تصریح کی ہے کہ آیہ مباہلہ اہل بیت رسول علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن افراد کو اپنے ہمراہ وعدہ گاہ کی طرف لے گئے تھے وہ صرف ان کے بیٹے امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام، ان کی بیٹی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور حضرت علی علیہ السلام تھے۔ اس بناء پر آیت میں ''ابنائنا'' سے مراد صرف امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام ہیں۔ ''نسائنا'' سے مراد جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا ہیں اور ''انفسنا'' سے مراد صرف حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

اس سلسلے میں بہت سی احادیث نقل ہوئی ہیں۔ اہل سنت کے بعض مفسرین نے جو بہت ہی تعداد میں ہیں۔ اس سلسلے میں وارد ہونے والی احادیث کا انکار کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً مولف ''المنار'' نے اس آیت کے ذیل میں کہا ہے:

''یہ تمام روایات شیعہ طریقوں سے مروی ہیں، ان کا مقصد معین ہے، انہوں نے ان احادیث کی نشر واشاعت اور ترویج کی کوشش کی ہے۔ جس سے بہت سے علماء اہل سنت کو بھی اشتباہ ہو گیا ہے''۔

لیکن اہل سنت کی بنیادی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے تو وہ نشاندہی کرتی ہیں کہ ان میں سے بہت سے طریقوں کا شیعوں یا ان کی کتابوں سے ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے اور اگر اہل سنت کے طریقوں سے مروی ان احادیث کا انکار کیا جائے تو ان کی باقی

احادیث اور کتب بھی درجہ اعتبار سے گر جائیں گی۔

اس حقیقت کو زیادہ واضح کرنے کے لئے اہل سنت کے طریقوں سے کچھ روایات ہم یہاں پیش کریں گے۔

قاضی نوراللہ شوستری اپنی کتاب نفیس ''احقاق الحق''[1] میں لکھتے ہیں: ''مفسرین اس مسئلے میں متفق ہیں کہ ''ابنائنا'' سے اس آیت میں امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام مراد ہیں، ''نسائنا'' سے ''حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا'' اور ''انفسنا'' میں حضرت علی علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے''۔

اس کے بعد کتاب مذکور کے حاشیے پر تقریباً ساٹھ بزرگان اہل سنت کی فہرست دی گئی ہے جنہوں نے تصریح کی ہے کہ آیت مباہلہ اہل بیت رسول علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔[2]

1۔مسلم بن حجاج نیشاپوری، مؤلف صحیح مسلم جو نامور شخصیت ہیں اور ان کی حدیث کی کتاب اہل سنت کی چھ قابل اعتماد صحاح میں سے ہے ملاحظہ ہو مسلم، ج7 ص120 طبع مصر زیر اہتمام محمد علی صبیح۔

2۔احمد بن حنبل نے اپنی ''مسند'' میں لکھا ہے ملاحظہ ہو، ج2 ص185 طبع مصر۔

3۔طبری نے اپنی مشہور تفسیر میں اسی آیت کے ضمن میں لکھا ہے۔ دیکھئے ج3 ص192 طبع میمنیہ مصر۔

4۔حاکم نے اپنی ''مستدرک'' میں لکھا ہے، دیکھئے ج3 ص15 مطبوعہ حیدرآباد دکن۔

5۔حافظ ابونعیم اصفہانی، کتاب ''دلائل النبوۃ'' ص297 مطبوعہ حیدرآباد دکن۔

6۔واحدی نیشاپوری، کتاب ''اسباب النزول'' ص74 طبع ہند۔

7۔فخر رازی، نے اپنی مشہور تفسیر کبیر میں لکھا ہے، دیکھئے ج8 ص85 طبع بہیہ، مصر۔

8۔ابن اثیر، ''جامع الاصول'' جلد9 ص470 طبع سنۃ المحمدیہ، مصر۔

9۔ابن جوزی ''تذکرۃ الخواص'' صفحہ17 طبع نجف۔

10۔قاضی بیضاوی، نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے، ملاحظہ کریں ج2 ص22 طبع مصطفی محمد، مصر۔

11۔آلوسی نے تفسیر ''روح المعانی'' میں لکھا ہے۔ دیکھئے۔ ج3 ص167 طبع منیر یہ مصر۔

12۔معروف مفسر طنطاوی نے اپنی تفسیر ''الجواھر'' میں لکھا ہے۔ ج2 ص120 مطبوعہ مصطفی البابی ال۔ حلبی، مصر۔

13۔زمخشری نے تفسیر ''کشاف'' میں لکھا ہے، دیکھئے۔ ج1 ص193، مطبوعہ مصطفی محمد، مصر۔

14۔حافظ احمد ابن حجر عسقلانی، ''الاصابۃ''۔ ج2 ص503، مطبوعہ مصطفی محمد، مصر۔۔۔

15۔ابن صباغ، ''فصول المھمۃ''۔ ص108 مطبوعہ نجف۔

16۔علامہ قرطبی، ''الجامع الاحکام القرآن''۔ ج3 ص104 مطبوعہ مصر 1936۔

''غایۃ المرام'' میں صحیح مسلم کے حوالے سے لکھا: ''ایک روز معاویہ نے سعد بن ابی وقاص سے کہا:''

تم ابوتراب (علی علیہ السلام) کو سب وشتم کیوں نہیں کرتے۔ وہ کہنے لگا۔

جب سے علی علیہ السلام کے بارے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کہی ہوئی تین باتیں مجھے یاد آتی ہیں، میں نے اس کام سے صرف نظر کر لیا

[1] ان کے نام اور ان کی کتاب کی خصوصیات صفحہ۔46 سے لیکر صفحہ 76 تک تفصیل سے بیان کی گئی ہے ان شخصیتوں میں سے یہ زیادہ مشہور ہیں۔

[2] جلد سوم طبع جدید صفحہ 46

ہے۔ان میں سے ایک یہ تھی کہ جب آیت مباہلہ نازل ہوئی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہ علیہا السلام، حسن علیہ السلام، حسین علیہ السلام، اور علی علیہ السلام کو دعوت دی۔اس کے بعد فرمایا"اللهم هو لاء اهلى"(یعنی خدایا یہ میرے نزدیکی اور خواص ہیں)۔

تفسیر"کشاف" کے مؤلف اہل سنت کے بزرگوں میں سے ہیں۔وہ اس آیت کے ذیل میں کہتے ہیں۔"یہ آیت اہل کساء کی فضیلت کو ثابت کرنے کے لئے قوی ترین دلیل ہے"۔

شیعہ مفسرین، محدثین اور مؤرخین بھی سب کے سب اس آیت کے"اھل بیت" کی شان میں نازل ہونے پر متفق ہیں چنانچہ"نورالثقلین" میں اس سلسلے میں بہت سی روایات نقل کی گئی ہیں۔ان میں سے ایک کتاب"عیون اخبارالرضا" ہے۔اس میں ایک مجلس مناظرہ کا حال بیان کیا گیا ہے، جو مامون نے اپنے دربار میں منعقد کی تھی۔

اس میں ہے کہ امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام نے فرمایا:

"خدا نے اپنے پاک بندوں کو آیت مباہلہ میں مشخص کر دیا ہے اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا ہے:

"فمن حاجك فيه من بعد ما جاءك من العلم فقل"

اس آیت کے نزول کے بعد پیغمبر، علی، فاطمہ، حسن، اور حسین علیہم السلام کو اپنے ساتھ مباہلہ کے لئے لے گئے اور یہ ایسی خصوصیت اور اعزاز ہے کہ جس میں کوئی شخص اہل بیت علیہم السلام پر سبقت حاصل نہیں کر سکا اور یہ ایسی منزلت ہے جہاں تک کوئی شخص بھی نہیں پہنچ سکا اور یہ ایسا شرف ہے جسے ان سے پہلے کوئی حاصل نہیں کر سکا"۔

تفسیر"برہان"،"بحارالانوار" اور تفسیر"عیاشی" میں بھی اس مضمون کی بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں جو تمام اس امر کی حکایت کرتی ہیں کہ مندرجہ بالا آیت"اہل بیت" علیہم السلام کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

زینب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادی[1]

زمانہ بعثت سے پہلے اور اس کے بعد جب کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شادی کی تو حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے"زید" نامی ایک غلام خریدا، جسے بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہبہ کر دیا۔

آپؐ نے اسے آزاد کر دیا۔چونکہ اس کے قبیلے نے اسے اپنے سے جدا کر دیا تھا، لہٰذا رسول رحمت نے اسے اپنا بیٹا بنا لیا تھا، جسے اصطلاح میں"متبنّیٰ" کہتے ہیں۔

ظہور اسلام کے بعد زید مخلص مسلمان ہو گیا اور اسلام کے ہراول دستے میں شامل ہو گئے اور اسلام میں ایک ممتاز مقام حاصل کر لیا۔آخر میں جنگ موتہ میں ایک مرتبہ لشکر اسلام کے کمانڈر بھی مقرر ہوئے اور اسی جنگ میں شربت شہادت نوش کیا۔

جب سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید کا عقد کرنا چاہا تو اپنی پھوپھی زاد، بہن زینب بنت جحش بنت امیہ بنت عبدالمطلب سے اس کے لئے خواستگاری کی۔زینب نے پہلے تو یہ خیال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لئے اسے انتخاب کرنا چاہتے ہیں۔لہٰذا وہ خوش ہو گئی اور رضامندی کا اظہار کر دیا، لیکن بعد میں جب اسے پتہ چلا کہ آپؐ کی یہ خواستگاری تو زید کے لئے تھی تو سخت پریشان ہوئیں اور انکار کر دیا۔اس کے بھائی عبداللہ نے بھی اس چیز کی سخت مخالفت کی۔

یہی وہ مقام تھا جس کے بارے میں وحی الٰہی نازل ہوئی اور زینب اور عبداللہ جیسے افراد کو تنبیہ کی کہ جس وقت خدا اور اس کا

[1] اکثر مفسرین و مؤرخین اسلامی کے بقول سورہ احزاب کی آیات 36 تا 38 اس سلسلے میں نازل ہوئی ہیں

رسول کسی کام کو ضروری سمجھیں تو وہ مخالفت نہیں کر سکتے۔

جب انھوں نے یہ بات سنی تو سر تسلیم خم کر دیا۔ (البتہ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ یہ شادی کوئی عام شادی نہیں تھی بلکہ یہ زمانہ جاہلیت کی ایک غلط رسم کو توڑنے کے لئے ایک تمہید تھی کیونکہ زمانہ جاہلیت میں کسی باوقار اور مشہور خاندان کی عورت کسی غلام کے ساتھ شادی کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی تھی، چاہے وہ غلام کتنا ہی اعلیٰ قدر و قیمت کا مالک کیوں نہ ہوتا۔

لیکن یہ شادی زیادہ دیر تک نہ نبھ سکی اور طرفین کے درمیان اخلاقی نااتفاقیوں کی بدولت طلاق تک نوبت جا پہنچی۔ اگر چہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصرار تھا کہ یہ طلاق واقع نہ ہو لیکن ہو کر رہی۔

اس کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شادی میں اس ناکامی کی تلافی کے طور پر زینب کو حکم خدا کے تحت اپنے حبالہ عقد میں لے لیا اور یہ بات یہیں پر ختم ہوگئی۔

لیکن دوسری باتیں لوگوں کے درمیان چل نکلیں جنہیں قرآن نے مربوط آیات کے ذریعے ختم کر دیا۔ اسکے بعد زید اور اس کی بیوی زینب کی اس مشہور داستان کو بیان کیا گیا ہے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے حساس مسائل میں سے ایک ہے اور ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسئلہ سے مربوط ہے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ: ''اس وقت کو یاد کرو جب اس شخص کو جسے خدا نے نعمت دے رکھی تھی اور ہم نے ابھی، اے رسول اسے نعمت دی تھی اور تم کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو روکے رکھو اور خدا سے ڈرو''۔ [1]

نعمت خدا سے مراد وہی ہدایت اور ایمان کی نعمت ہے جو زید بن حارثہ کو نصیب ہوئی تھی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعمت یہ تھی کہ آپؐ نے اسے آزاد کیا تھا اور اپنے بیٹے کی طرح اسے عزت بخشی تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زید اور زینب کے درمیان کوئی جھگڑا ہو گیا تھا اور یہ جھگڑا اس قدر طول پکڑ گیا کہ نوبت جدائی اور طلاق تک جا پہنچی۔ اگر آیت میں لفظ ''تقول'' کی طرف توجہ کی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ فعل مضارع ہے اور اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار ہا بلکہ ہمیشہ اسے نصیحت کرتے اور روکتے تھے۔

کیا زینب کا یہ نزاع زید کی سماجی حیثیت کی بناء پر تھا جو زینب کی معاشرتی حیثیت سے مختلف تھی؟ کیونکہ زینب کا ایک مشہور ومعروف قبیلہ سے تعلق تھا اور زید آزاد شدہ تھا۔ یا زید کی اخلاقی سختیوں کی وجہ سے تھا؟ یا ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تھی بلکہ دونوں میں روحانی اور اخلاقی موافقت اور ہم آہنگی نہیں تھی؟ کیونکہ ممکن ہے دو افراد اچھے تو ہوں لیکن فکر ونظر اور سلیقہ کے لحاظ سے ان میں اختلاف ہو جس کی بناء پر اپنی ازدواجی زندگی کو آئندہ کے لئے جاری نہ رکھ سکتے ہوں؟

پیغمبر کی نظر میں تھا کہ اگر ان میاں بیوی کے درمیان صلح صفائی نہیں ہو پائی اور نوبت طلاق تک جا پہنچتی ہے تو وہ اپنی پھوپھی زاد بہن زینب کی اس ناکامی کی تلافی اپنے ساتھ نکاح کی صورت میں کر دیں گے، اس کے ساتھ آپؐ کو یہ خطرہ بھی لاحق تھا کہ لوگ دو وجوہ کی بناء پر آپؐ پر اعتراض کریں گے اور مخالفین ایک طوفان بدتمیزی کھڑا کر دیں گے۔

اس سلسلے میں قرآن کہتا ہے: ''تم اپنے دل میں ایک چیز کو چھپائے ہوئے تھے جسے خدا آشکار کرتا ہے اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ تمہارا پروردگار زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس سے ڈرو''۔ [2]

---

[1] سورہ احزاب آیت 37

[2] سورہ احزاب آیت 37

پہلی وجہ تو یہ تھی کہ زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منہ بولا بیٹا تھا، اور زمانہ جاہلیت کی رسم کے مطابق منہ بولے بیٹے کے بھی وہی احکام ہوتے تھے جو حقیقی بیٹے کے ہوتے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ بھی تھا کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے بھی شادی کرنا حرام سمجھا جاتا تھا۔

دوسری یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیونکر اس بات پر تیار ہو سکتے ہیں کہ وہ اپنے ایک آزاد کردہ غلام کی مطلقہ سے عقد کریں جبکہ آپ کی شادی بہت بلند و بالا ہے۔

بعض اسلامی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ ارادہ حکم خداوندی سے کیا ہوا تھا اور بعد والے حصے میں بھی اس بات کا قرینہ موجود ہے۔

اس بناء پر یہ مسئلہ ایک تو اخلاقی اور انسانی مسئلہ تھا اور دوسرے یہ زمانہ جاہلیت کی غلط رسموں کو توڑنے کا ایک نہایت ہی مؤثر ذریعہ تھا (یعنی منہ بولے بیٹے کی مطلّقہ سے آزاد کردہ غلام کی مطلّقہ سے عقد)۔

مسلم ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان مسائل میں نہ تو لوگوں سے ڈرنا چاہئے تھا اور نہ ہی فضا کے مکدر ہونے اور زہریلے پروپیگنڈے سے خوف و وحشت کا شکار ہو جاتے، خاص کر جب یہ احتمال ہو کہ ایک جنجال کھڑا ہو جائے گا اور آپ اور آپ کے مقدس مشن کی ترقی اور اسلام کی پیش رفت کے لئے رکاوٹ کھڑی ہو جائے گی اور یہ بات ضعیف الایمان افراد کو متزلزل کر دے گی اور ان کے دل میں شک و شبہات پیدا ہو جائیں گے۔

اس لئے قرآن میں اس سلسلہ کے آخر میں فرمایا گیا ہے:

''جس وقت زید نے اپنی حاجت کو پورا کر لیا اور اپنی بیوی کو چھوڑ دیا تو ہم اسے تمہاری زوجیت میں لے آئے تاکہ منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے مطلّقہ ہونے کے بعد مومنین کو ان سے شادی کرنے میں کوئی مشکل نہ ہو''۔[1]

یہ کام ایسا تھا جسے انجام پا جانا چاہئے تھا

''اور خدا کا فرمان انجام پا کر رہتا ہے''۔[2]

قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن ہر قسم کے شک و شبہ کو دور کرنے کے لئے پوری صراحت کے ساتھ اس شادی کا اصل مقصد بیان کرتا ہے جو زمانہ جاہلیت کی ایک رسم توڑنے کے لئے تھی یعنی منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ عورتوں سے شادی نہ کرنے کے سلسلے میں یہ خود ایک کلی مسئلہ کی طرف اشارہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مختلف عورتوں سے شادی کرنا کوئی عام سی بات نہیں تھی بلکہ اس میں کئی مقاصد کا ذکر کرنا مقصود تھا جو آپ کے مکتب کے مستقبل کے انجام سے تعلق رکھتا تھا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زینب کے ساتھ شادی کی داستان قرآن نے پوری صراحت کے ساتھ بیان کر دی ہے اور یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اس کا ہدف منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے شادی کے ذریعے دور جاہلیت کی ایک رسم کو توڑنا تھا، اس کے باوجود دشمنان اسلام نے اسے غلط رنگ دے کر ایک عشقیہ داستان میں تبدیل کر دیا اس طرح سے انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات کو آلودہ کرنے کی ناپاک جسارت کی ہے اور اس بارے میں مشکوک اور جعلی احادیث کا سہارا لیا ہے ان داستانوں میں ایک یہ بھی ہے کہ جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زید کی احوال پرسی کے لئے اس کے گھر گئے اور جونہی آپ نے دروازہ کھولا تو آپ کی نظر زینب کے حسن و جمال پر جا پڑی تو آپ نے فرمایا:

---

[1] سورہ احزاب آیت 37

[2] سورہ احزاب آیت 37

"سبحان اللہ خالق النور تبارك اللہ احسن الخالقین"

''منزہ ہے وہ خدا جو نور کا خالق ہے اور جاوید و بابرکت ہے وہ اللہ جو احسن الخالقین ہے''۔

ان لوگوں نے اس جملے کو زینب کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لگاؤ کی دلیل قرار دیا ہے، حالانکہ عصمت ونبوت کے مسئلہ سے قطع نظر بھی اس قسم کے افسانوں کی تکذیب کے لئے واضح شواہد ہمارے پاس موجود ہیں:

پہلا یہ کہ حضرت زینب، رسول پاک کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور خاندانی ماحول میں تقریباً آپ کے سامنے پلی بڑھی تھیں اور آپ ہی نے زید کے لئے ان کی خواستگاری کی تھی اگر زینب حد سے زیادہ حسین تھیں اور بالفرض اس کے حسن وجمال نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ کو اپنی طرف جذب کرلیا تھا تو نہ تو اس کا حسن وجمال ڈھکا چھپا تھا اور نہ ہی اس ماجرے سے پہلے ان کے ساتھ آنحضرت کا عقد کرنا کوئی مشکل امر تھا بلکہ اگر دیکھا جائے تو زینب کو زید کے ساتھ شادی کرنے سے دلچپی نہ تھی، بلکہ اس بارے میں انہوں نے اپنی مخالفت کا اظہار صراحت کے ساتھ بھی کردیا تھا اور وہ اس بات کو کاملاً ترجیح دیتی تھیں کہ زید کی بجائے رسول اللہ کی بیوی بنیں، کیونکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زید کے لئے زینب سے رشتہ دینے آئے تو وہ نہایت خوش ہوگئیں، کیونکہ وہ یہ سمجھ رہی تھیں کہ آپ ان سے اپنے لئے خواستگاری کی غرض سے تشریف لائے ہیں، لیکن بعد میں وحی الٰہی کے نزول اور خدا و پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سرتسلیم خم کرتے ہوئے زید کے ساتھ شادی کرنے پر راضی ہوگئیں تو ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے تو ہم کی کونسی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہیں آپ زینب کے حالات سے بے خبر تھے؟ یا آپ ان سے شادی کی خواہش رکھتے ہوئے بھی اقدام نہیں کرسکتے تھے؟

دوسرا یہ کہ جب زید نے اپنی بیوی زینب کو طلاق دینے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کیا تو آپ نے بار بار اسے نصیحت کی اور طلاق دینے کے لئے روکا اور یہ چیز بجائے خود ان افسانوں کی نفی کا ایک اور شاہد ہے۔

پھر یہ کہ خود قرآن صراحت کے ساتھ اس شادی کا مقصد بیان کرتا ہے تا کہ کسی قسم کی دوسری باتوں کی گنجائش باقی نہ رہے۔

چوتھا امر یہ ہے کہ قرآنی آیت میں خداوند عالم اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتا ہے کہ زید کی مطلقہ بیوی کے ساتھ شادی کرنے میں کوئی خاص بات تھی جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے ڈرتے تھے، جبکہ انہیں صرف خدا سے ہی ڈرنا چاہئے۔

خوف خدا کا مسئلہ واضح کرتا ہے کہ یہ شادی ایک فرض کی بجا آوری کے طور رانجام پائی تھی کہ خدا کی ذات کے لئے شخصی معاملات کو ایک طرف رکھ دینا چاہئے تا کہ ایک خدائی مقدس ہدف پورا ہوجائے، اگرچہ اس سلسلے میں کوردل دشمنوں کی زبان کے زخم اور منافقین کی افسانہ طرازی کا پیغمبر کی ذات پر الزام ہی کیوں نہ آتا ہو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم خدا کی اطاعت اور غلط رسم کو توڑنے کی پاداش میں یہ ایک بہت بڑی قیمت ادا کی ہے اور اب تک کر رہے ہیں۔

لیکن سچے رہبروں کی زندگی میں ایسے لمحات بھی آجاتے ہیں، جن میں انہیں ایثار اور فداکاری کا ثبوت دینا پڑتا ہے، اور وہ اس قسم کے لوگوں کے اتہامات اور الزامات کا نشانہ بنتے رہتے ہیں تا کہ اس طرح سے وہ اپنے اصل مقصد تک پہنچ جائیں

البتہ اگر پیغمبر گرامی قدر نے زینب کو بالکل ہی نہ دیکھا ہوتا اور نہ ہی پہچانا ہوتا اور زینب نے بھی آپ کے ساتھ ازدواج کے بارے میں رغبت کا اظہار نہ کیا ہوتا اور زید بھی انہیں طلاق دینے پر تیار نہ ہوتے (نبوت وعصمت کے مسئلہ سے ہٹ کر) پھر تو اس قسم کی گفتگو اور توہمات کی گنجائش ہوتی، لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تو وہ دیکھی دکھائی تھیں لہٰذا ان تمام امکانات کی نفی کے ساتھ ان افسانوں کا جعلی اور من گھڑت ہونا واضح ہوجاتا ہے۔

علاوہ ازیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا کوئی لمحہ یہ نہیں بتاتا کہ آپ کو زینب سے کوئی خاص لگاؤ اور رغبت ہو، بلکہ دوسری

بیویوں کی نسبت ان سے کوئی رغبت رکھتے تھے اوران افسانوں کی نفی پر یہ ایک اور دلیل ہے۔

ثعلبہ

''ثعلبہ بن حاطب انصاری'' ایک غریب آدمی تھا، روزانہ مسجد میں آیا کرتا تھا اس کا اصرار تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرمائیں کہ خدا اس کو مالا مال کردے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا:

''مال کی تھوڑی مقدار جس کا تو شکرادا کرسکے مال کی کثرت سے بہتر ہے جس کا تو شکرادا نہ کرسکے''۔

کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تو خدا کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرے اور سادہ زندگی بسر کرے۔

لیکن ثعلبہ مطالبہ کرتا رہا اور آخر کار اس نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میں آپ کو اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اگر خدا نے مجھے دولت عطا فرمائی تو میں اس کے تمام حقوق ادا کروں گا۔ چنانچہ آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی۔

ایک روایت کے مطابق زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ اس کا ایک چچازاد بھائی جو بہت مال دار تھا، وفات پا گیا اور اسے بہت سی دولت ملی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اس نے ایک بھیڑ خریدی جس سے اتنی نسل بڑھی کہ جس کی دیکھ بھال مدینہ میں نہیں ہوسکتی تھی۔ اس لئے انہیں مدینہ کے آس پاس کی آبادیوں میں لے گیا اور مادی زندگی میں اس قدر مصروف ہوگیا کہ نماز باجماعت تو کیا نماز جمعہ میں بھی نہ آتا تھا ایک مدت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زکواۃ وصول کرنے والے عامل کو اس کے پاس زکوٰۃ لینے کے لئے بھیجا لیکن اس کم ظرف کنجوس نے نہ صرف خدائی حق کی ادائیگی میں پس وپیش کیا بلکہ شرع مقدس پر بھی اعتراض کیا اور کہا کہ یہ حکم جزیہ کی طرح ہے یعنی ہم اس لئے مسلمان ہوئے تھے کہ جزیہ دینے سے بچ جائیں۔ اب زکوٰۃ دینے کی شکل میں ہم میں اور غیر مسلموں میں کون سا فرق باقی رہ جاتا ہے۔ حالانکہ اس نے نہ جزیہ کا مطلب سمجھا تھا اور نہ زکوٰۃ کا اور اگر اس نے سمجھا تھا تو دنیا پرستی جو اسے حقیقت کے بیان اور اظہار حق کی اجازت نہیں دیتی تھی، غرض جب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی باتیں سنیں تو فرمایا:

''یا ویح ثعلبہ یا ویح ثعلبہ''۔

''وائے ہو ثعلبہ پر ہلاکت ہو ثعلبہ پر''۔[1]

تمت بالخیر

[1] مفسرین کے درمیان مشہور ہے کہ سورہ توبہ کی آیت 75 تا 78 اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے۔